فرمان
آپ آپ کو آپ پہچانو
کما اور کا نیک نہ مانو
رادھا سوامی دیال

سندیش

روحانیت پریم و شانتی کا پیغام

ہر ملت و قوم کی تصوف پسند طبیعتوں کیلئے

سلسلہ ثانی

جلد ۵ نمبر ۱

سنت سندیش کے مقاصد اور دستور العمل

مقاصد

(الف) عموم سنت مت کی تصوف پسند طبیعتوں کیلئے روحانی تسکین و شانتی کے خیالات بہم پہنچانا ۔

(ب) تصوف کے رموز نہفتہ اور بالا خیال روحانی عقدوں کی بشرط امکان گرہ کشائی کرتے رہنا ۔

(ج) سنت مت کے لئے مذہب یا فرقے کے متعلق بالعموم غلط فہمیوں کے دور کرنے کی کوشش کرنا ۔

(د) رادھا سوامی صاحب کبیر صاحب گورو نانک صاحب وغیرہ دیگر سنت مہاتماؤں کے روحانی تعلیم کی وضاحت صراحت کرنا ۔

(ہ) سنت مت کی تمام شاخوں کو باہمی میل ملاپ کی دعوت دیتے رہنا کیونکہ یہ سب اصل میں ایک ہیں ۔

دستور العمل

(الف) قیمت بارہ نمبر کی مجموعی للعہ ششماہی پیشگی لیجائیگی - اور ایک نمبر کی ۸/ ہوگی ۔

(ب) ہر مہینہ کی دس تاریخ تک ضرور رسالہ نکل جایا کریگا اسکے بعد نہ پہنچنے پر یاد دہانی کرنا چاہیے ۔

(ج) اس میں کسی صاحب کے مضمون صحیح ہونگے درج ہونے کیلئے منظور کئے جائینگے ۔

(د) جن صاحبوں کو روحانی مسائل کے متعلق مشکلات پیش آئیں پوچھنے پر اُن کا جواب دیا جائے گا ۔

(ہ) انتظامی معاملات کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہو دوسری باتوں کے متعلق بنام ایڈیٹر ہو [illegible] ٹکٹ ساتھ ہو

درخواست ضروری

چونکہ سنت سندیش کی اشاعت کا دائرہ محدود ہے اسلئے اُسکے ہر پڑھنے والے صاحب سے درخواست ہے کہ کم از کم دو دو نئے خریدار پیدا کرنیکی کوشش کریں تاکہ یہ رسالہ کچھ عرصہ تک جاری رہے مگر خریدار صرف ایسے حضرات بنائے جائیں جو تصوف پسند طبیعت رکھتے ہیں اور [illegible] مذاق سے تعلق رکھتے ہوں ۔

بابا مانج پرشاد اسسٹنٹ مینیجر سنت سندیش لاہور

مقام اشاعت دفتر سنت سندیش [illegible] لاہور ۔

ایڈیٹر صاحب [illegible] سنت سندیش [illegible] لاہور ۔

[illegible] بابا مانج پرشاد اسسٹنٹ مینیجر سنت سندیش

سنت سندیش

جلد ۸ نمبر ۲

وگیان سندیش

عالم روحانی کی سیر۔ چمنِ فردوس کی گلگشت۔ نشۂ معراج
کی دوربین۔ خمرِ گیان کی لذت

شبد

[illegible] ایڈیٹر و پبلشر [illegible]
مطبوعہ [illegible] پریس لاہور

بلا اجازت کسی مضمون کے نقل کرنے کی سخت ممانعت ہے

قیمت فی پرچہ ۸/

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	دیباچہ	۵
۲	دگیان کا پہلا نکتہ	۱۷
۳	؍؍ دوسرا ؍؍	۲۰
۴	؍؍ تیسرا ؍؍	۳۰
۵	؍؍ چوتھا ؍؍	۴۹
۶	؍؍ پانچواں ؍؍	۵۶
۷	؍؍ چھٹا ؍؍	۵۸
۸	؍؍ ساتواں ؍؍	۷۲
۹	؍؍ آٹھواں ؍؍	۷۸
۱۰	؍؍ نواں ؍؍	۸۶
۱۱	؍؍ دسواں ؍؍	۹۹
۱۲	؍؍ گیارھواں ؍؍	۱۱۵
۱۳	؍؍ بارھواں ؍؍	۱۲۵
۱۴	؍؍ تیرھواں ؍؍	۱۲۷
۱۵	؍؍ چودھواں ؍؍	۱۳۴
۱۶	؍؍ پندرھواں ؍؍	۱۳۸
۱۷	؍؍ سولھواں ؍؍	۱۴۰
۱۸	؍؍ سترھواں ؍؍	۱۴۱
۱۹	شکریہ و التماس	۱۴۳
۲۰	اشتہارات	۱۴۴

دیباچہ وگیان سندیش

ہم کیا ہیں؟ کون ہیں؟ کیوں دنیا میں آئے؟ کس غرض سے لکھتے ہیں؟ کون لکھاتا ہے۔ اس لکھنے اور لکھانے کی علت غائی کیا ہے۔ یہ اس قسم کے پیچیدہ سوال ہیں جن کا تشفی بخش جواب ملنا اور جواب دینا مشکل ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہم نے سنت سندیش کو تکسیب معاش کا ذریعہ بنایا ہے اور معاش کا خیال اس کا محرک ہے۔ تو گو یہ بات کسی حد تک صحیح سمجھی جائے اور ہم اس سے انکار بھی نہیں کر سکتے۔ مگر کسی حد تک اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بالعوض سنت سندیش کے کوئی ہلکا موٹا کام لے لیتے تو وہ آمدنی کا معقول ذریعہ بنتا۔ برس روز ہو گیا۔ یہ وگیان سندیش اپنے سلسلہ کا سولھواں نمبر ہے۔ اب تک اس کو اشاعت کے لحاظ سے بہت کچھ ترقی کر جانا چاہیئے تھا۔ مگر باوجود اس مدت کے خریداری کے دائرے کو وسعت نصیب نہیں ہوئی۔ آمدنی کو کون کہے اُلٹے مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔ تجربہ کہتا ہے کہ اور قسم کے کام میں کامیابی کی زیادہ امید ہو سکتی ہے اور کی جا سکتی ہے۔ حال ہی میں ہم نے ایک معمولی ناول شاہی لکڑہارے کے نام سے لکھا۔ پریس سے نکلنے کی دیر تھی کہ لوگ ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ وہ محض معمولی سی چیز ہے جس کو ہم کسی حالت میں وقیع اور اہم نہیں سمجھتے۔ مگر اس قسم کے

لٹریچر کی ملک میں زیادہ ہا ہے۔ اگر اسی قسم کی کتابوں کو وقت دیا جاتا تو غالباً
ہو سکتا تھا۔ مالی نقصان کی شکایت کا موقعہ ہاتھ نہ آتا۔ مگر ہم ہیں اور ہمارا
دل ہے کہ سنت سندیش ہی کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اسی کی دھن ہے۔ اسی کی
فکر ہے۔ اسی کا خیال ہے۔ اسی کا سودا ہے۔ یہ کیوں ہے اور کیوں ایسا ہے؟
واضح طور پر ان سوالوں کا جواب دینا کم از کم ہمارے لئے مشکل ہے۔ ہاں
البتہ اس قدر دبی زبان سے کہنے کا حوصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کوئی
نظر نہ آنیوالی طاقت ہے جو اس کام کے لئے رہ رہ کر مجبور کرتی ہے۔ مگر وہ
مجبوری بھی اس قسم کی ہے جس کو مجبوری نہیں کہا جا سکتا۔ کام ہنستے کھیلتے خوشی
خوشی میں کیا جا رہا ہے۔ ظاہری نقصان ہو یا فائدہ۔ اس کا خیال دل کو
مطلق نہیں ستاتا۔ جو ہو رہا ہے اچھا ہی ہو رہا ہے۔ جو کیا جا رہا ہے اچھا
ہی کیا جا رہا ہے۔ جس طاقت نے محرک بن کر اس کام کو جاری کیا اور کرایا
ہے وہ دانشمند ہے۔ اسے تو معلوم ہے کہ کونسا اوزار اس ارادے کی
تکمیل میں موزونیت۔ سہولیت اور صلاحیت کے ساتھ کام کر سکتا ہے اور
کام دے سکتا ہے۔ کیا ہم اس سے بندھے ہوئے ہیں؟ کیا اس کے دام
نے ہم کو پھنسا رکھا ہے؟ اس کی بھی سمجھ نہیں آتی۔ نہ کہیں بندھن ہے نہ
آزادی ہے۔ نہ تعلق ہے نہ بےتعلقی ہے۔ نہ حجاب ہے نہ بےحجابی ہے۔ نہ
پردہ پوشی ہے نہ پردہ فاشی ہے۔ کیونکہ ان میں سے اگر کوئی حالت بھی ہوتی
تو کم از کم اس کا قیاس تو کیا جاتا۔ مگر یہاں قیاس اور انداز کا بھی نام و
نشان نہیں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل کا معاملہ ہے۔ کوئی کہے بھی تو کیا
کہے اور چپ بھی رہنا چاہے تو کیسے۔ نہ گفتگو ہو نہ خاموشی کے درمیان
کی کوئی حالت ہے جو دونوں کے بیچ میں [illegible] کام کر رہی ہے۔ کچھ خیال میں

آتی ہے اور نہیں بھی آتی اپنی جھلک دکھاتی بھی ہے اور نہیں بھی دکھاتی۔

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی
بازارِ خویش و آتشِ ما تیز مے کنی

گو گو کا معاملہ ہے۔ تاہم ضبط اور جرأت کے ساتھ اس طرح کہنے کی ہمت پڑتی ہے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اچھا ہے۔ اچھا ہو رہا ہے۔ مشغولیت کی زندگی ہے۔ وقت کسی بھی طرح کٹنے کا سامان ہے آخر زندگی کے تک و دو میں کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے "جب تک جینا تب تک سینا" کون جانے اگر یہ کام نہ ہوتا تو اور ہی کسی کام کو دل دیا جاتا۔ اس کی نوعیت کس قسم کی ہوتی کون جانتا۔ خوشی ہے۔ خوشی کے مزے ہیں۔ دن خوب کٹ رہے ہیں۔ اس سے بہتر اور کیا چاہئے۔ ایک بھجن سنو :-

دن نیکے بیتے جاتے ہیں　　(دیپک)

(۱) سمرن کر شری رام نام　　تج شبھ بھوگ اور سب کام
تیرے سنگ چلے نہیں ایک دام　　جو دیتے ہیں سو پاتے ہیں

(۲) بھائی بندھ پتر پریوارا　　کس کے ہو تم کون تمہارا
کس کے بل ہرتی نام بسارا　　سب جیتے جی کے ناطے ہیں

(۳) لکھ چوراسی بھرم کے آئی　　بڑے بھاگ مانش تن پائی
تس پر بھی نہیں کین کمائی　　پھر پاچھے پچھتاتے ہیں

(۴) جو تو بھولا رہے بالا سا　　مورکھ پھنسا مرتیو کی پھانسا
کیا آسا سانس کی آسا　　گئے پھیر نہیں آتے ہیں

دن نیکے بیتے جاتے ہیں

سنت سندیش کے اس آٹھویں جلد کے دوسرے نمبر کا نام وگیان سندیش ہے۔ وگیان کے معنی ہیں گیان کی پختگی۔ جیسے سمادھی کے معنی ہیں دھیان کی پختگی۔ یہ حالت گیان کے پرے کی ہے۔ جیسے سمادھی کی حالت دھیان سے پرے کی ہے۔ گیان میں سوچ وچار ہے۔ وگیان میں سوچ وچار کی پختگی ہے جیسے کوئی مسافر کسی شہر کو جا رہا ہے۔ راہ میں اس کو بھٹیار سرائے۔ مرحلے پڑاؤ۔ باغ۔ باغیچے کنواں۔ تالاب۔ گاؤں قصبے ملتے ہیں۔ وہ ان سب کو دیکھتا بھالتا ہوا جا رہا ہے۔ جب منزل مقصود پہ پہنچ گیا۔ پھر ان کا خیال تک اس کو نہیں رہتا۔ اور اپنے مقصد کے شہر میں آکر خوش ہو جاتا ہے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ خوشی کے مارے تن پیرہن میں نہیں سماتا۔ اور اس شہر کے باشندوں میں سے ایک ہو رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح پر گیان مارگ میں مختلف قسم کے غور و فکر۔ تحقیقات و تجسس۔ تلاش و جستجو سے کام ہوتا ہے جس وقت وگیان کی حالت نصیب ہوتی ہے وہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے خیال میں پختہ۔ گیان میں دڑھ۔ معرفت میں مستحکم۔ اور ویراگ میں مستقل بن جاتا ہے اس میں اس قدر مضبوطی آجاتی ہے کہ کوئی ہزار مخالفانہ دلیل پیش کرے اس کی پختہ حالت کو لغزش اور کمزوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس نے اپنی تحقیقات کے دوران سفر میں سارے مرحلے طے کر لئے ہیں کہنے سننے والے ابھی تک درمیانی سلسلوں میں لٹکے اور جھٹکے ہوئے ہیں۔ وہ تو سب کو عبور کرتا ہوا معراج کی چوٹی پر پہنچ گیا ہے۔ وہ اگر بھولے تو کیسے بھولے۔ وہ اگر بھرم میں پڑے تو کیسے پڑے۔ وہ اگر کسی کی الٹی سیدھی باتوں میں آوے تو کیسے آوے وہ جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اصلیت کیا ہے۔ جو اصلیت اور حقیقت کا دو بدو مشاہدہ کر رہا ہے۔ جس کے مکاشفات کے پردے پھٹ

چکے ہیں۔ اس کو بھرم اور بھول کے جھکولے صدمے نہیں پہنچا سکتے۔ صدمات وسوسات۔ خدشات۔ تردّدات اور تفکرات درمیانی مرحلے ہیں جو اُدھڑ میں پڑا ہُوا ہے نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے۔ اس کے بھٹکنے کا بیشک خوف کیا جا سکتا ہے۔ مگر جس کو دھر دھام تک رسائی حاصل ہو گئی ہے اس کو خطرات اور خدشات کیسے؟ شروَن۔ منن۔ ندھیاسن درمیانی حالتیں ہیں۔ ساکشاتکار آدرش ہے علم الیقین حق الیقین عین الیقین بیچ کی منزلیں ہیں۔ اصل الیقین معراج ہے جس کو شاہد تمنا ہے ہم آغوشی کا موقعہ نہیں ملا۔ وہ باتیں بناتا ہے۔ بات بنا کر سُناتا ہے۔ جو اس سے مل کر ایک ہو رہا ہے۔ وہ کیوں باتیں بنائے اور کیوں بات بنا کر جھک مارے۔ اس کو ضرورت کیا ہے۔ تڑپتا ہے وہ بھوکا جس کو روٹی نہیں ملی۔ گھبراتا ہے وہ پیاسا جس کو پانی نہیں ملا ہے۔ شکم سیر کے لئے ان کی کیا پرواہ۔ ایک طرف دوزخ ہے ایکطرف بہشت بہشت والوں سے پوچھو کہ اعراف کیا چیز ہے۔

حورانِ بہشتی را کہ دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پُرس کہ اعراف بہشت است

ایک طرف کرم ہے ایک طرف گیان۔ ان کے بیچ میں اُپاسنا ہے کرنے والوں کی نگاہ میں اُپاسنا بڑی اچھی چیز ہے مگر گیانیوں سے پوچھو کہ کرم اور اُپاسنا کی حیثیت کیا ہے۔

کرم اُپاسن بھگتی جو۔ ان کی راہ انیک
گیان نشٹھ کو جو ملے ایک سے ایک

ان سب کی چوٹی پر گیان ہے۔ سب میں افضل۔ سب میں اشرف سب میں سریشٹ۔ کوئی اس کی تعریف کیا کرے۔

دیباچہ

جن کو وگیان کا درجہ مل گیا ہے وہ تردید و تائید، حمایت و مخالفت پکش اپکش کھنڈن منڈن۔ سب کے اوپر آجاتے ہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ تین ہستیاں ہیں۔ تو یہ کہتا ہے ہاں جی ہاں تین ہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ دو ہیں تو وہ بولتا ہے۔ ہاں جی ہاں دو ہیں۔ اگر کسی کے خیال میں وہ ایک ہے تو وگیانی اس کو ایک ہی بتاتا ہے۔ کیونکہ اس کی نظر وسیع ہے۔ اس کا دل عالمگیر ہے اس کی بھاونا محیط کل اور سرو ویاپک ہے۔ جو تین ہستیوں کی صدا بلند کرتے ہیں وہ مذہبی زندگی میں بچگی کی حالت میں ہیں۔ جو دو بتاتے ہیں۔ وہ بلوغیت کے درجے میں ہیں۔ جو ایک لیتے ہیں وہ شخوخیت کے درجے میں ہیں۔ جو ایک اور انیک سب سے گزر کر اس کو جیسے کا تیسا دیکھتے ہیں ان کی نسبت کیا کہا جائے

ایک کہوں تو ہے نہیں دوئی کہوں تو گار
جیسا ہے تیسا رہے کہیں کبیر بچار

یہ وگیان ہے۔ یہ چوٹی کی چیز ہے۔ یہ حالت کسی برے کو پراپت ہوتی ہے۔ جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ جو نہیں جانتے وہ نہیں جانتے۔ ہم نے خوب غور کیا۔ معرفت کے دریا کے تیراک اور شناور بن کر وار پار دونوں سے الگ ہو گئے۔ غوطہ مار کر وگیان کا قیمتی موتی جو ہاتھ آیا۔ وہ سیر چشمی اور فیاضی کے ساتھ اوروں پر نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جو سچے طالب، حقیقت کے سچے شیدائی اور اصلیت کے سچے شائق اور شیدائی ہیں۔ یہ ان پر نثار ہیں۔ ہم سے جہاں تک تحقیقات کرتے بنا تحقیقات کرلی۔ جہاں تک تحقیق اور تدقیق کے مدارج ہیں سب طے کر لئے۔ کوئی بات باقی نہیں رہی۔ یہ بناوٹی یا مصنوعی بات نہیں ہے۔ بلکہ سار کا سار، جوہر کا جوہر، عطر کا عطر اور سچائی کی سچائی ہے۔ ہم نے سنت مت کو وگیان سمجھا ہے۔ بھولے بھٹکے نیتھائی اس سے نابلد

ہیں۔ان میں سے کوئی کرم کانڈیوں کی طرح کرم ادر فروعات کے دلدادہ ہیں۔کوئی اُپاسنا میں پھنسے ہوئے اس کو نکھٹیا ورا ہم بنا رہے ہیں۔کوئی گیان کے سودائی بن کر اہم برہما در انا الحق کا راگ الاپ رہے ہیں۔جس وقت وہ وگیان کی دشا میں پہنچیں گے۔وہ سمجھیں گے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔اور ہمارے کہنے کا مطلب کیا ہے۔ابھی تک وہ مارگ میں ہیں۔راستوں کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔وہ ان باتوں کو بھلا کیا سمجھیں گے اور کیسے سمجھیں گے۔مگر ان کے نہ سمجھنے سے ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

جس کی جیسی نظر ہے اس کو ویسا ہی دکھائی دیتا ہے۔جس نے جس رنگ کی عینک آنکھوں پر لگا رکھی ہے۔اس کو وہی رنگ دکھائی دیتا ہے

ہم سب کو سمجھتے ہیں۔سب کو ان کے اصل حال میں دیکھتے ہیں۔اونچی باتوں کو نیچے طبقہ کے رہنے والوں کو کیا سنائیں ہم اننیں۔تثلیث اور توحید سے اونچے چڑھ آئے۔اگر اور لوگ بھی اونچے چڑھ کر اس نظارہ کو دیکھیں تو سمجھ سکیں گے۔دور سے ان کو کیا نظر آوے۔

دھن دھن رادھا سوامی میرے ستگور
جن یہ موج دکھائی چیت چڑھ کر

چو سلطان عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیب عدم بر کشد

ہست تا رپے پردہ ایں ہمہ گام من و تو چوں پردہ برا فتد نہ تو مانی و نہ من

دیباچہ

ہم میں خست نہیں ہے۔ ہاں اپنے لئے نہیں جمع کیا۔ جو کچھ ہاتھ آیا سیر چشمی کے ساتھ اوروں کو کھلے خزانے دے رہے ہیں۔ جن کو لینا ہو وہ لیں جنکے مقدر میں نہیں ہے ان کو کیا کوئی دے گا اور کیا تو کوئی لے گا۔ دل کے سمندر میں لہریں اٹھتی ہیں۔ جو اس تموّج پسند بحر عرفاں کے کنارے آتے ہیں انکو دو چار چھینٹے مل ہی جاتے ہیں۔ جو نہیں آتے ان کو تر دماغی کیسے ملے۔ وہ خشک دماغی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ بات مصنوعی نہیں ہے بلکہ سچی ہے۔ آزاد منش کے پاس رہنے سے آزادی آتی ہے۔ غلاموں کی صحبت سے غلامی کے اثرات دل میں جاگزین ہوتے ہیں جس کو آزادی کی دولت لینی ہو۔ وہ کسی مرد آزاد کا دامن پکڑے۔ تاکہ خود آزاد ہو جائے۔ اور مذہب اور ملت کی قیود سے چھٹکارا پائے۔ جو چیز آزاد کے پاس ہے وہ سب آزادی پسندوں کے لئے وقف ہے۔ سورج کی کرنیں چھوٹ چھوٹ کر نکلتی رہتی ہیں۔ اور دنیا کا تختہ نور رنگ علی نور ہو جاتا ہے۔ میگھ منڈل سے موسلا دھار بارش ہوا کرتی ہے جس کے اثر سے دنیا کا میدان لالہ زار بن جاتا ہے۔ سورج اپنی کرنوں کو نہیں روک سکتا۔ بادل اپنی بوندوں کو چھپا نہیں سکتا۔ اسی طرح آزاد منش اپنی آزادی کے جوہر کو مخفی نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ ان میں سے کسی میں بھی خست نہیں ہے۔

قرار در کف آزادگاں نگیرد مال
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

کسی کو کھول کھول کر کیا کہا جائے۔ جو سننے والے ہیں وہ سنیں۔ جو ماننے والے ہیں وہ جانیں۔

بندۂ یک مرد صاحب دل شوی
بہ کہ بر فرق سر شاہاں شوی

دیباچہ

دانکہ زلیشاں خلعت و دولت رسد
در پناہ نور جاں گرد و جسد
سایۂ شاہاں طلب ایں دم شتاب
زاں شوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب
مر ترا دشنام و سیلئے شہاں
بہتر آید از ثنائے گمرہاں

کچھ نہ کرو۔ کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف کسی صاحبدل کی صحبت اختیار کرو۔ اور سب کچھ آپ ہی آپ ہو رہے گا۔ یہ مجذوب کی بڑ نہیں ہے۔ یہ دیوانے کی بکواس نہیں ہے۔ بلکہ امر حقیقت ہے۔ صاحب دل کی صحبت سے طالبین اور شائقین کے دل پر صداقت کا رنگ پڑتا ہے۔ ان کے دل سے جو پاک اور مقدس تجلی کی دھار نکلا کرتی ہے۔ وہ تین قسم کے اثرات پیدا کرتی ہے۔ اول تو اپنی متحد حدت سے صحبت نشین کے دل کے وہمی وسوسات کو جلاتی رہتی ہے۔ دوسرے اس کے دل کو پاک و صاف بنا کر گہرا ظرف والا بنا دیتی ہے۔ تیسرے اپنا عمل دخل کر کے اس کو اپنی حالت پر لاتی ہے۔ پارس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ لوہے کو سونا کر دیتا ہے۔ مگر پارس نہیں بناتا۔ یہ فخر صرف سنتوں اور فقیروں کو حاصل ہے کہ وہ اپنے اپنائے ہوؤں کو اپنے جیسا بنا لیتے ہیں

گورو کو کیجے ڈنڈوت کوٹ کوٹ پرنام
کیٹ نہ جانے بھرنگ کو گورو کرلیں آپ سمان

دیباچہ

آپ نے سنا ہوگا۔ بھرنگی ایک پروار مکھی ہے جو ڈنک مارتی ہوئی کیڑے کو لاکر اپنے چھتے میں بند کر دیتی ہے۔ اور اُڑ جاتی ہے۔ یہ کیڑا عمل تصور کے زور سے رفتہ رفتہ خود بھرنگی کی طرح پردار بن کر چھتے کو توڑ کر باہر آ جاتا ہے۔ اور عالمِ فضائی وسعت میں پرواز کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح سچے گورو۔ سچے مرشد سچے سنت اور سچے فقیر کی صحبت میں رہ کر انسان بآسانی گیانی بن جاتا ہے۔ کلام ہے۔

درمیانِ جانِ ایشاں خانہ گیر
چرخ را خانہ کن اے بدر منیر

جو کچھ ہم نے اوپر کہا ہے۔ وہ علم حکمت سے۔ سائنس سے فلسفہ سے۔ علم خیال سے۔ اور علمِ تصور سے صحیح ہے۔ ان میں سے تم کسی ایک کی مدد لو۔ یہ رمز خود بخود سمجھ میں آ جائے گا۔ اور اگر دھرم کرم میں پڑے ہو۔ اگر حال و قال کے دام میں پھنسے ہو۔ تو جاؤ۔ ہوا کھاؤ۔ جب تک دلی تکمیل کی نشو و نما خاص درجہ تک نہ آئے گی۔ لاکھ سر مارو اس کو نہیں سمجھ سکو گے۔

دنیا میں پیری اور مریدی اور بیعت کا سلسلہ بڑی دھوم دھام سے جاری ہے۔ مگر نتیجہ کیا ہے جیسے گورو ویسے ہی چیلا دونوں نرک میں ڈھکیلم ڈھکیلا۔ اگر کسی کو خوش قسمتی سے سچا گورو مل جائے تو پھر کیا کہنا ہے۔

کوٹن چندا اوگویں۔ سورج کوٹ ہزار
ستگور ملیا باہرا۔ ویسے گھور اندھار

دکھائی دے

ہائے ہائے دل تڑپ رہا ہے۔ اپنے اندر زبردست آتشکدہ مشتعل ہے۔ سب ایندھن بن کر جل رہے ہیں۔ ایسا کوئی نہیں ملتا جو اس آگ کو بجھائے

ایسا کوئی نا ملا جا سنگ رہئے لاگ
سب جگ جلتا دیکھیا اپنی اپنی آگ

مگر نہیں۔ دنیا میں جہاں گرمی ہے۔ وہاں سردی کا بھی امکان ہے جہاں بیقراری اور اضطراب ہے۔ وہاں شانتی اور سلامتی کا بھی گمان ہے۔ آگ بجھانے والے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی اپنے دل کی آگ بجھانے کی فکر بھی کرے۔

ایسے تو ستگور ملے۔ جن سے رہئے لاگ
سب ہی جگ سیتل بھیا جب مٹی آپنی آگ

وگیان سہل بھی ہے اور مشکل بھی۔ سہل تو اُن کے لئے ہے جن کو صاحبدل گورو مل گئے۔ مشکل اُن کے لئے ہے۔ جو اس دولت بے بہا سے محروم ہیں۔ آج دنیا میں گورودُوم کے کھنڈن کی سر توڑ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مگر کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا۔ جو صحیح اور سچے معنی میں سچے گورو کی ماہیت کو سمجھتا۔ ہم بھی کسی وقت اس مخمصے میں گرفتار تھے۔ آخر جس وقت مرشد نے دست شفقت آکر سر پر رکھا۔ آنکھ کھل گئی۔ آنکھوں کے سامنے صداقت کے نور کا جلوہ چمک گیا۔

چار کھان میں بھرمتا کبھوں نہ لگتا پار
سو تو پھیرا مٹ گیا ستگور دئے اُپکار

بحث اور دلیل کا میدان وسیع ہے۔ اُلٹی سیدھی سنانے والے بہت ہیں۔ ساتھ ہی دھوکا دینے والے عیّار اور مکّار جھوٹے گوروؤں کی بھی کمی نہیں ہے۔ ان کی نسبت ہمارا روئے سخن نہیں ہے ہم تو گورو کو اور ذات گورو کو کسی اور ہی رنگ میں دیکھ رہے ہیں۔

بھید ہی لیا ساتھ کر دینا وستو لکھائے
کوٹ جنم کا پنتھ تھا۔ پل میں پہچا جائے

جو لوگ دگیان کے شائق ہوں وہ بھی اس تدبیر سے کام لیں اور نتیجے ہو نرلگیں۔ اگر اس پر بھی ان کی حالت نہ بدلے تو ہمارے بات کو جھوٹی سمجھیں اس سے زیادہ اور کیا کہیں +

گوردچرن پر بل جاؤں　　آٹھ پہر گورو کا جس گاؤں
گورو کو سمروں گورو کو دھیاؤں　　ماتھے گورو پدرج لگواؤں
گورو نے گپت بھید دیا دان　　گورو نے سار بتایا آن
گورو نے الکھ وستو لکھوایا　　گورو نے اگم روپ درسایا
جب لگ نہیں گورو گتی دڑھائی　　تب لگ لسندن رہے اگیانی
رات اندھیری آنکھ نہ سوجھے　　کبھی بدھی پرکھی گورو پد بوجھے
گورو نے گورو پد درسایا　　آنکھ کھلی۔ اندھکار نہٹایا
تیج تیج کا بھیا پرکاس　　گیان سورج کیا آجاس
گھن گھمنڈ اگیان سمان　　جو ٹرمل اندھکار گیا آن
گیان سور گورو بچن پرکاسا　　دیکھت سکل اودّیا ناسا
ست ست کا ست پرگٹا یا　　آتم پر ماتم درسایا
گھٹ میں پرگٹا ست کا نور　　بلجے نندق انحد تور

آپ نے آپ سے تو آپ پہچانو کیا اور کا ایک نہ مانو

وِگیان سندیش

وگیان کا پہلا نکتہ

وحدت

وحدت کا راز آپ عیاں ہے ہر ایک پر جس کی سمجھ میں آوے نہیں وہ ہے بےخبر

اِکائی

ایک ہی شے خدا خدائی ہے ایک شے فقر و بادشائی ہے
ایک ہی باپ بیٹا بھائی ہے ایک کی ہر جگہ دوھائی ہے

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ایک تھا ایک سے ہوئے دو چار ایک ہی سے بنے ہیں لاکھ ہزار
ایک کی حد نہیں نہ اُس کا شمار ایک کا راز سمجھیں سمجھے ہشیار

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ایک سے ایک کو ملایا جب دو ہوئے دیکھنے لگے دو سب
ایک شیطان تھا ایک ذاتِ رب ہاتھا پائی کی نوبت آئی تب

دگیان کا پہلا نکتہ

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

صورت اپنی جو ایک نے بدلی — تین تثلیث کی ادا نکلی
خلق مخلوق اور خالق کی — تین شکلیں ہوئیں خفی و جلی

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ایک اور ایک ہوتے ہیں گیارہ — گیارہ اور ایک ہو گئے بارہ
پو بلا نکلا اس سے پو بارہ — ذاتِ واحد ہیں لکڑی او تارہ

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ایک ہے بحر قطرے ہیں بسیار — ایک بڑا قطرہ سمجھو بحر ذخار
قطروں کا کیا کرے گا کوئی شمار — "دانہ دانہ است غلہ در انبار"

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ایک تھا ایک سے انیک ہوا — اور انیک آپ بنا ایک ہوا
* ایک ہی ہیں اور "نیک" (متعدد) ہوا — یہ وہ سمجھے جسے بویک ہوا

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ایک کو دید کی تمنا تھی — اپنے ہی دیکھنے کی خواہش کی
آئینہ بن کے قدرت آپ آئی — ایک نے ایک کی شکل کو دیکھی

اصل میں ایک ہی اکائی ہے

* تمینا "سنگھ" جوتش کی اصطلاح ہے۔

"جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ذات میں ہے صفات کا دھوکا اور صفت میں ہے ذات کا دھوکا
حق میں ہے کائنات کا دھوکا یک کو ہے ایک بات کا دھوکا

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

گیان اگیان سب خیالی ہیں کوئی بھرے اور کوئی خالی ہیں
کوئی جوابی کوئی سوالی ہیں ایک کی صورتیں نرالی ہیں

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ایک کو ایک کا ہے وہم و خیال کہیں وہ ہجر ہے کہیں ہے وصال
ایک ہیں کیا کمال حسن و زوال ایک ہی ہیں جلال اور جمال

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

وہی ذات خدا وہی ہے رسول وہی مردود ہے وہی مقبول
وہی ناکامی اور وہی ہے حصول وہی بیباقی اور وہی ہے وصول

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

دودھ ہی میں دہی کا ہے امکاں دودھ ہی اصل میں ہے چھاچھ کی جاں
دودھ مکھن کا گھی کا ہے ساماں جسم یہ سب ہیں دودھ سب کی جاں

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

ذات میں احدیت کی رہتی ہے شاں — اس میں کثرت کے ہیں نظارے نہاں
ذاتِ رحماں ذات ہے شیطاں — ذات ہے ایک بےحد و پایاں

"اصل میں ایک ہی اکائی ہے
جملہ اعداد میں سمائی ہے"

وگیان کا دوسرا نکتہ

اثنین دو

ہے ادھر گر خدا اُدھر ہے لعیں — کفر کا ضد سمجھو ملت و دیں
آسماں اونچا ہے تو نیچی زمیں — کہیں نرمی ہے گر تو سختی کہیں

ملے دو ہاتھ گر تو تالی بجی
آگ پانی ملے تو دنیا بنی

دنیا دو کا نام ہے۔ مثل مشہور ہے "اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا" جب دو ہوتے ہیں تب ہی تفرقہ کی نوبت آتی ہے۔ دو چیچے بچے ایک تھیلی میں خوب لڑا کرتے ہیں۔ جہاں لڑائی ہو وہاں ہاتھا پائی ہے۔ جہاں وصل و جدائی ہو۔ جہاں وفا و جفا ہو۔ جہاں بے اعتنائی و آشنائی ہو۔ اور پھر جہاں خدا و خدائی ہو جہاں رسالت و پیغمبری ہو وہاں ہمیشہ دو ہوں گے اس میں شک ہی کیا ہے۔ مرد و عورت کے ملنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اثبات اور نفی کے میل سے نظام عالم کا اہتمام ہے

ہم اگر نگاہ کو اونچی کر کے دیکھیں تو ہر جگہ دو روپ سے دو اصلیتوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھیں گے۔ ایک میں اتفاق و نفاق کیسا۔ ایک میں وصل و فراق کیسا دنیا ضدین کا تماشا ہے۔ بناؤ بگاڑ۔ موت و زندگی۔ جنم و مرن۔ زہر اور امرت خشکی و تری۔ سردی و گرمی۔ صبح و شام۔ رات و دن۔ ازل و ابد۔ سرشٹی اور پرلے۔ شرا اور اشر۔ نیک و بد۔ صحت و بیماری۔ نور و تاریکی۔ مد و جزر۔ کمی اور بیشی۔ گرسنگی اور سیری۔ یہ سب آخر کیا ہیں؟ ضدین ہیں۔ دین اور کفر۔ ملاپ اور تفرقہ۔ رغبت و نفرت۔ محبت و کدورت۔ آنا اور جانا۔ موت اور زندگی۔ ان سب کو کیا کہو گے؟ یہ بلاشک ضدین ہیں۔ جہاں جاؤ گے دو دیکھو گے۔ دو آنکھیں ہیں۔ ایک نفی اور ایک ثبت۔ دو کان ہیں۔ ایک دایاں اور ایک بایاں دو ہاتھ ہیں ایک ادھر ایک ادھر۔ دو پاؤں ہیں ایک اس طرف ایک اُس طرف دو پسلیاں ہیں۔ دو ناک ہیں۔ دو زبان ہیں۔ دو ہی ہر ایک کے سر ہیں۔ اگر ان کو تم ایک کہتے ہو تو غلطی میں پڑتے ہو۔ دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ زبان اصل میں دو ہیں۔ بیچ میں ان کے درمیان ایک نالی نظر آئے گی یہی سر کا نال ہے اس کے دو ٹکڑے ایک دوسرے کے ساتھ سِئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تم جس کو ایک دیکھو گے۔ وہاں بھی دو مختلف جز ملے ہوئے نظر آویں گے۔ یہاں ایک کہاں؟ ایک کا وجود وہم معلوم ہوتا ہے۔ ایک سے رچنا کیسے ہو سکتی ہے اور کیسے ہو سکے گی؟ اگر شئے ہے تو اس کے ساتھ نقیض ضرور ہے۔ اگر شراب کا اُتار خمار ہے تو اس کا چڑھاؤ سرور ہے۔ کوئی نزدیک ہے کوئی دور ہے کوئی متصل و متقرب ہے۔ کوئی جدا اور مہجور ہے۔ جہاں دولت ہے اس کے پہلو بہ پہلو افلاس ہے۔ جہاں امید و رجا ہے۔ اس کا ضد وہاں حرمان و یاس ہے۔ کمال کو زوال کا کھٹکا ہے۔ آسمان کو بدر کے ہلال ہونے کا کھٹکا لگا ہے بادل

کے ساتھ خانہ بربادی کا نظارہ ہے۔ غمی کے ساتھ شادی کا تماشہ ہے۔

ایک جاتا ہے ایک آتا ہے   ایک بھوکا ہے ایک کھاتا ہے
ایک ہشیار ایک ماتا ہے   ایک روتا ہے ایک گاتا ہے

دو ہیں دو اس جگہ نہیں ہے ایک
ایک کے ساتھ میں لگے ہیں انیک

کبھی گلزار میں خزاں آئی   کبھی اُس میں بہار ہے چھائی
چیز کھوئی ہوئی کبھی پائی   دو کی ہر جا ہے ماتھا اور پائی

دو ہیں دو اس جگہ نہیں ہے ایک
ایک کے ساتھ میں لگے ہیں انیک

ایک آباد ایک ہے ویران   ایک گریاں تو ایک ہے خنداں
قحط ہے اور بارش و باراں   کہیں صحرا کہیں بیاں گلستاں

دو ہیں دو اس جگہ نہیں ہے ایک
ایک کے ساتھ میں لگے ہیں انیک

روح کے ساتھ جسم رہتا ہے   کوئی خوش کوئی رنج سہتا ہے
خشک دریا ہے دریا بہتا ہے   دو ہیں یاں ایک کون کہتا ہے

دو ہیں دو اس جگہ نہیں ہے ایک
ایک کے ساتھ میں لگے ہیں انیک

جو ہوا پیدا وہ مرے گا ضرور   دور ہو گا جسے ہے قرب حضور
اصل کی نقل ہے سایہ کا نور   روز روشن کے ساتھ شب دیجور

دو ہیں دو اس جگہ نہیں ہے ایک
ایک کے ساتھ میں لگے ہیں انیک

رنج اور شادی دونوں ہیں توام   ہجر اور وصل رہتے یاں ہیں بہم
مرض و دار و علاج و فقر و نعم   کعبہ ہیں رب تو بتکدہ میں صنم

دو ہیں دو اس جگہ نہیں ہے ایک
ایک کے ساتھ میں لگے ہیں انیک

چپ ہیں گر آج کل کو بولیں گے   بند لب کو بھی تو کھولیں گے
پیاس کے بعد قند گھولیں گے   راز اخفین کو ٹٹولیں گے

دو ہیں دو اس جگہ نہیں ہے ایک
ایک کے ساتھ میں لگے ہیں انیک

الغرض اس کائنات میں دو مختلف ہستیوں کے امتزاج کا تماشہ نظر آتا ہے اور اس لئے جو لوگ دویت وادی بن کر دو وجود کے قائل ہیں وہ غلطی میں نہیں پڑے ہیں جہاں تک ان کی نگاہ پہنچتی ہے وہاں تک وہ صحیح ہیں اور اس نظر سے دنیا کے انسانوں کا کثیر حصہ مشرک اور دویت وادی ہی ہے مشرک اس کو کہتے ہیں جو حقیقت کیساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے۔ اور دویت وادی بھی وہی ہیں جو دو مختلف ہستیوں کا اقرار کرتے ہیں۔

دنیا کے سب سے پہلے فیلسوف۔ بلکہ فلسفہ کے جدامجد و بانی مبانی مہرشی کپل جی تھے۔ انہوں نے اپنی باریک بینی سے اس بات کا پتہ لگایا کہ اس خلقت میں ہر جگہ دو چیزیں نظر آتی ہیں۔ ایک ان میں سے آتما ہے جو چیتن ہے دوسری پرکرتی ہے جو جڑ ہے۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں تب جگت کا تماشہ ہوتا ہے۔ اور جب یہ نہیں ملتے تو وہ تماشہ نہیں رہتا۔ ان کی دانست میں دو سے زیادہ تتو دنیا میں کہیں نہیں ہیں۔ اور سب کچھ ان ہی دو کے میل ملاپ کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے آتما گیان والا سوچا کار اور پرکرتی اندھی ہے

مگر کریا والی ہے، آتما میں کریا نہیں ہے۔ مگر جب دونوں کا میل ہو جاتا ہے تو وہ مل ملا کر گیان والے اور کریا والے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان میں دونوں صفت کا یقین ہونے لگتا ہے۔

سوال۔ ان کے میل سے کس طرح ہر دو صفت ان میں نظر آنے لگتے ہیں؟

جواب۔ ایک باغ تھا جس کے مالک نے اس کی رکھوالی کے لئے ایک اندھے اور ایک لنگڑے کو مقرر کیا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ لنگڑا پھل تک پہنچ نہ سکے گا۔ دیکھ کر شور مچا دیگا۔ اور چور نہ آ دیں گے۔ اور اندھا اس کا ساتھی بنا رہے گا۔ اتفاق سے ان دونوں نے مشورہ کیا۔ لنگڑا اندھے کی گردن پہ چڑھ بیٹھا۔ اور اس طرح دونوں ایک دوسرے کی مدد سے پھل تک پہنچے۔ اور خوب سیر ہو کر کھاتے رہے۔ اسی طرح گیان والا آتما جب اندھی پرکرتی کی گردن پہ سوار ہو جاتا ہے تو اس جگت کا پھل کھانے لگتا ہے۔

سوال۔ یہ میل کسی تیسرے کے ملانے سے ہوتا ہے یا یوں ہی ہوا کرتا ہے؟

جواب۔ اگر ملانیوالا مانوگے تو پھر تین ہو جائیں گے۔ دو نہ رہیں گے۔ یہ ملاپ یوں ہی ہو رہتا ہے۔

سوال ۳۔ اس سے تو ایشور کے انکار کا خیال ہوتا ہے!

جواب۔ ہاں اس قسم کے دویت بادی نرایشور یعنی ایشور کی ہستی کے منکر ہوتے ہیں۔ اور اس کی اثبات کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور نہ اس کو خواہ مخواہ ضروری سمجھتے ہیں۔

سوال ۴۔ مگر آپ خود کیا کہتے ہیں۔ سانکھ والوں کے موافق ہی آپ کا بھی خیال ہے۔ یا آپ اس کے برعکس ہیں۔

جواب۔ ہم تو ایشور کو مانتے ہیں اور اس کی ہستی تسلیم کرتے ہیں اور گو سانکھ

والے انکار کرتے ہیں۔ مگر ان کے انکار میں بھی ہم کو ایشور کے اقرار کا پتہ ملتا ہے

سوال ۵۔ وہ کس طرح؟

جواب۔ سانکھ طریق کے پیرو ایک آتما نہیں مانتے۔ بلکہ بیشمار اور ان گنت آتما مانتے ہیں۔ ہم اُن سب کے مجموعہ کو ایشور اور مادہ کے تمام ذرات کے مجموعہ کو پرکرتی کہتے ہیں۔ اگر اس طرح مان لیا جائے تو کوئی ہرج بھی نہیں ہوتا۔ اور انکار و اقرار پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر یہ بات صحیح ہے کہ سانکھ والے ایشور کی ہستی سے انکار کرتے ہیں۔

سوال ۶۔ اس انکار کی ضرورت کیا ہے؟

جواب۔ ان کی دانست میں ایشور کا وجود ثابت کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ ہو یا نہ ہو خلقت کا کام یوں ہی پرش اور پرکرتی کے میل سے ہوگا اور ہوا کرے گا۔ یہ وجہ ہے کہ ایشور کے ثابت کرنے کی طرف ان کا میلان نہیں ہے۔ اور بہ حیثیت ایک عظیم الشان فلسفہ کے اس کے اس خیال کی وجہ سے اس میں کوئی نقص عاید نہیں ہوتا۔ ایسا سمجھ لینا چاہیئے کہ اس لئے اپنی انتہائی نظر صرف پُرش و پرکرتی تک محدود رکھی ہے اور بس۔

سوال ۷۔ مگر دنیا میں دو ہی پر کیا موقوف ہے یہاں تو بیشمار اور بے تعداد اشیا نظر آتی ہیں۔

جواب۔ اس میں شک نہیں کہ اشیاء کی تعداد زیادہ ہے۔ مگر جوہر کے لحاظ سے صرف دو ہی ہیں۔ کارن اور کارج کے قانون کے دیا فران ہی دو کے میل سے بیشمار چیزیں بن گئی ہیں۔

سوال ۸۔ اس بات کو کیسے مان لیں کہ آگ اور پانی ایک ہی چیز ہیں

جواب۔ یہ تو کوئی نہیں کہتا کہ آگ اور پانی ایک ہی چیز ہیں صرف اسقدر

کہا جاتا ہے کہ اصل جوہر کے لحاظ سے وہ مادہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور پھر مادہ ہی میں تحلیل ہوں گی۔

سوال ۹۔ یہ بات سمجھ میں کم آتی ہے کہ یہاں دو ہی تو ہیں؟

جواب۔ تم جہاں دیکھو گے۔ دو کا نظارہ ہر وقت سامنے رہے گا ایک طرف یگانہ۔ دوسری طرف بیگانہ۔ درختوں کو نہ دیکھو۔ ایک ساتھ اکثر دو پتے نکلتے ہیں۔ جو درختوں کا حال ہے وہی انسان کا بھی حال ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا درخت ہے جو متحرک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اور درختوں کی جڑ نیچے ہوتی ہے۔ اس کی اوپر کی طرف ہے۔ جس کو تم سر کہتے ہو۔ وہ اصل میں جڑ ہی ہے جیسے درختوں کی جڑوں میں چھوٹے چھوٹے ریشے ہوتے ہیں ویسے ہی اس کے سر کے بال ہیں جیسے درخت کی چھال ہوتی ہے۔ ویسے ہی اس کی کھال ہے جیسے چھال کے نیچے گودا ہوتا ہے۔ ویسے ہی اس کی کھال کے تلے گوشت رہتا ہے۔ جیسے اس میں ہیر ہوتی ہے۔ ویسے ہی اس میں ہڈی رہتی ہے جیسے اس میں عرق کی رطوبت رہتی ہے۔ ویسے ہی اس میں خون رہتا ہے

سوال۔ یہ مشابہت گو کسی معنی میں سچ ہوا ور سچ معلوم بھی ہوتی ہے مگر اس سے وہ مختلف ہستیوں کا ثبوت کہاں ہاتھ آتا ہے؟

جواب۔ تم نے روک دیا۔ قطع کلام کرنا درست نہیں تھا۔ ہم آپ ہی رفتہ رفتہ نکتہ تک پہنچنے اور پہنچانے کی کوشش کرتے۔ درخت کی مشابہت کے سلسلہ میں تم دیکھو! انسان کے دو ہاتھ کیسے نکلے ہیں۔ دو ہاتھوں کے تلے دو پاؤں بھی کیسی ٹہنیوں کی صورت میں قائم ہیں۔۔۔۔۔۔

سوال۔ اس مجذوب کی بڑ کو جانے دیجئے۔ دو ہستی دکھایئے۔

جواب۔ افسوس ہے۔ تم بات کو ہمیشہ کاٹ دیا کرتے ہو۔ تم کو صبر

نہیں آتا۔ مرد آدمی! اگر تم اس مشابہت کے دلچسپ سلسلہ کو سننا نہیں چاہتے تو لو ہم بھی اس سے افسوس کے ساتھ درگزر کرتے ہیں۔ ورنہ تم کو دکھلاتے کہ تمام دنیا کی مخلوق کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مشابہہ ہے۔ اور پھر اسی کے دوران میں دو ہستی کی ظاہر ظہور صورت دکھا دیتے۔

سوال۔ میں اس گورکھ دھندے سے باز آیا۔ آپ لفظوں کے ایچ پیچ میں نہ پھنسایئے سیدھی سچی بات کہئے۔

جواب۔ بہت اچھا تو لو دیکھو۔ تمہارے اندر خود دو ہستی موجود ہیں ایک تو تم جو اصل میں چیتن پرش۔ روح۔ آتما اور ذات ہو۔ دوسرا تمہارا جسم جو مادی۔ پراکرتک۔ قدرتی اور قدرت کے ذرات کے اجتماع کی صورت ہے۔ تم میں ہی دو چیزیں موجود ہیں۔ اور یہ دو مختلف ہستیاں ہیں۔

سوال۔ یہ دو کیسے کہی جا سکتی ہیں؟

جواب۔ اس لئے کہ اگر آتما نکل جائے تو جسم بیکار ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس طاقت کی وجہ سے وہ اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ علیحدہ ہو گئی۔ اور جب تک وہ پھر نہ آوے گی یہ نکما کا نکما بنا رہے گا۔

سوال۔ اس مناسبت اور بات کو ذرا مثال سے ثابت کیجئے؟

جواب۔ لوہا اور چمبک دو مختلف چیزیں ہیں۔ لوہا حرکت نہیں کرتا مگر چمبک کا اثر پڑتے ہی اس میں جوش آ جاتا ہے۔ اور وہ حرکت کرنے لگتا ہے بحیثیت کسی کسی معنی میں اسی طرح روح کی قربت سے جسم کے کاروبار ہوتے ہیں۔ اگر وہ نہ رہے تو یہ بھی نہ رہے۔

سوال۔ لیکن اگر ہم یہ مان لیں کہ مادی ذرات کے باقاعدہ ملاپ سے جسم بن گیا۔ اور جسم کے رگ و ریشہ میں حرکت آگئی۔ تو کیا ہرج ہوگا؟

جواب۔ ہرج یہ ہوگا کہ پھر دو ہستیوں کی ہستی کیسے ثابت ہو سکے گی

سوال۔ ہستی ثابت ہو یا نہ ہو اس سے ہم کو کیا لینا ہے ہم کو سچائی معلوم ہونی چاہئیے۔

جواب۔ تو پھر سچائی اس سے معلوم ہوتی ہے۔

سوال۔ کس طرح؟

جواب۔ تھوڑی دیر کے لئے جسم کے مختلف اعضا اور ان کی حرکات و سکنات پر غور کرو تو آپ ہی سچائی کا پتہ لگنے لگا۔ اور وہ خود تمہارے ذہن نشین کرا دیں گے کہ روح جسم سے بالکل علیحدہ اور مختلف چیز ہے۔

سوال۔ مثلاً؟

جواب۔ مثلاً دیکھو تمہارا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ پنجہ کی پانچوں انگلیاں خوب کھیل رہی ہیں۔ اب اگر کلائی پر ایک بند باندھ لی جائے تو ہاتھ پنجہ و انگلیاں سب خالی پڑ جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کی حرکت کی طاقت کسی اور چیز سے آتی تھی۔

سوال۔ گرہیاں بند کیوں لگا یا گیا۔ ممکن ہے یہ بھولیت کی حالت بند لگانے سے آئی ہو۔

جواب۔ بہت اچھا۔ بند نہ باندھئے۔ نیند کی حالت میں جس وقت اصلی شے اپنی طاقت جسم کو نہیں دیتی۔ وہ بیکار اور معطل محض بن جاتا ہے آنکھ کھلی ہے۔ دکھائی نہیں دیتا۔ کان کھلے ہیں سنائی نہیں دیتا جسم پڑا ہوا ہے کام نہیں کرتا۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہے کہ وہ شے روح

بھی۔ اور وہ جسم سے علیحدہ بھی۔ اس قسم کی حالتیں اکثر روزانہ انسان پر گذرتی رہتی ہیں۔ سکتا۔ بیہوشی۔ غنودگی وغیرہ میں بھی یہی کیفیت ہُوا کرتی ہے۔ ان حالتوں کا اثر تو عارضی اور تھوڑی دیر کے لئے ہُوا کرتا ہے۔ مگر جس وقت روح جسم سے بالکل علیحدہ ہوجاتی ہے جسم مرجاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم دو مختلف ہستیوں سے بنے ہوئے ہیں۔ روح اور مادّہ۔

کوئی کرے محل کوئی کرے ٹاٹی
اڑ جائے ہنس پڑی رہے ماٹی

سوال۔ بات تو کچھ ایسی ہی نظر آتی ہے۔ مگر کیا پُرش اور پرکرتی ہر جگہ اسی طرح بکھرے طور پر رہتے ملے کام کر رہے ہیں؟

جواب۔ ہاں ان کا کام ایک طرح کا کھیل ہے۔ پُرش اور پرکرتی۔ روح اور مادّہ آپس میں ایک دوسرے کیساتھ گتھم گتھا تعلق کیساتھ رہتے ملے۔ اس وقت آدی خیال کا وہ تعلق مرکز بنا۔ اور اُسی مرکز سے پھیرا اور رچنا کی دھاریں پرگٹ ہوئیں مثلاً ظاہری جگت میں استری اور پُرش کا ملاپ پُتر کی صورت میں نمودار ہُوا۔ اس پُتر کا میل پھر کسی استری کے ساتھ ہُوا۔ اس سے پھر تولید و تناسل کا زبردست سلسلہ پیدا ہُوا۔ وعلےٰ ہٰذا القیاس۔ ذرہ ذرہ جو تم کو نظر آرہا ہے۔ وہ پُرش اور پرکرتی کا کھیل ہی ہے۔

سوال۔ یہ کھیل کب تک رہتا ہے؟

جواب۔ جب تک پُرش کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

سوال۔ پُرش کا مقصد کیا ہے؟

جواب۔ دُکھ کی نورتی اور آنند کی پراپتی۔ جب تک پُرش پرکرتی کے

[illegible]
ہے۔ اس وقت اس کو موکش یعنی نجات کی حالت حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر وہ جنم مرن کے دُکھ سے چھٹکارا پا جاتا ہے۔ پرکرتی کا کھیل پُرش کے بھوگ کے لئے ہی ہے۔ بھوگ کی طرف سے طبیعت ہٹی نہیں کہ وہ ناچنے والی رقاصہ کی طرح اپنا سازو سامان لپیٹ لیتی ہے۔

وگیان کا تیسرا انگ

تثلیث

نگاہ جاتی ہے جس سمت تین ہی ہیں نظر
اسی سے تین کی کرتے ہیں پوجا اہل بصر

ہم ہیں
ہم کو اپنے ہونے کا علم ہے
ہم کو اپنے جاننے کی خوشی ہے

ہم میں ہستی ہے
ہم میں علم ہے
ہم میں خوشی ہے

ہستی ہم ہیں
علم ہم ہیں
خوشی ہم ہیں

یہ تثلیث کے تین مدات ہیں۔ تینوں صحیح ہیں۔ کون ہے جس کو اس حقیقی یقین سے انکار ہوگا۔ لاکھ کوئی اس کا انکار کرے۔ ہزار کوئی اس کے اقرار کی طرف سے آنکھ میچے۔ مگر اس کی اپنی موجودگی اس کی اپنی موجودگی کا علم اور اس کی اپنی موجودگی کے علم کی خوشی اس انکار اور اس تردید اور اس بطلان کا قدم قدم پر لمحہ لمحہ میں۔ ہر زمان میں۔ ہر مکان میں آپ اس کا بطلان کرتے رہیں گے۔ "وہ ہے" "سمجھتا جاگتا ہے" "کرتا دھرتا ہے" "سوچتا سمجھتا ہے" "ہنستا کھیلتا ہے" اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے اگر وہ انکار جتنا جی چاہے۔ آنکھ میچو تم میں جتنی طاقت ہے۔ مگر تم ہو۔ تم جانتے ہو۔ تم کو اس کے جاننے کی خوشی ہے۔ یہ واقعات صحیح ہیں۔ یہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ عیاں را چہ بیاں! حاضر کو غائب موجود کو معدوم۔ اور اصلیت کو موہوم کیسے بتا سکو گے۔ غائب۔ عدم اور وہم اس کے بھی تو مدار علیہ اور دھشتان اور آدھار تم ہو۔ تم ہی حاضر کو غائب کہتے ہو۔ تم ہی موجود کو معدوم بتلاتے ہو۔ تم ہی اصلیت کو وہم قرار دیتے ہو پھر کیسے کوئی مان لے کہ تم نہیں ہو۔ تم خود بھی کیسے مانو گے کہ تم نہیں ہو تمہارا ہونا برحق ہے۔ تمہارے اپنے ہونے کا علم تم میں برحق ہے۔ تمہارے ہونے کے علم کی خوشی کا تم میں ہونا برحق ہے۔ حاضری میں محبت کیسی! موجودگی میں تلاش کیسی۔ علم میں جہل کیسا! جو ہے وہ ہے جس کا علم ہے اس کا علم ہے جس کی خوشی ہے۔ اس کی خوشی ہے۔ یہ تین وصف تم میں ہر وقت موجود ہیں اور ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ یہ تم خود ہو۔ اور اگر ذرا غور کرو تو تم خود با آسانی و بہ سہولیت تمام سمجھ جاؤ گے کہ یہ تینوں وصف تمہاری ذات کے خاصہ ہیں۔ تمہارے جوہر ہیں۔ تمہارے اپنے گُن ہیں۔ خاصہ۔ جوہر اور گُن کیسے! یہ تمہاری اپنی ذات ہیں۔ یہ تم خود ہو۔ یہ تم سے کبھی کسی حالت میں جدا نہیں ہیں۔ سوچو۔ سمجھو۔ غور کرو

اور تب جو جی میں آوے وہ کہو، سنو، سناؤ اور اوروں کو بھی سمجھاؤ۔

تم ہو
تم سمجھتے ہو
تم سمجھ کر خوش ہوتے ہو

کون ہے؟ کون سمجھتا ہے؟ کون خوش ہوتا ہے؟

ظاہری صورت میں اس کا جواب تم میں اور تمہارے جسم میں موجود ہے۔ حرکت ادراک اور سرور کا پتہ خود تمہارے اپنے جسم سے لگتا ہے اور جگہ نہ جاؤ کسی اور سے نہ پوچھو۔ اپنے جسم۔ اپنے جسم کے کاروبار اور اپنے جسم کی خوبیوں میں ان کی تلاش کرو جسم ہے جسم میں حرکت ہے جسم میں ادراک وتمیز ہے اور جسم میں خود خوشی ہے۔ جسم کو بھی تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ و جسم کی ایک ایک عضو کی حالت پر غور کرو۔

آنکھ ہے
آنکھ دیکھتی ہے
آنکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہے

کان ہے
کان سنتا ہے
کان سن کر خوش ہوتا ہے

زبان ہے
زبان چکھتی ہے
زبان چکھ کر خوش ہوتی ہے علیٰ ہذا القیاس

الغرض ہر عضو میں اور ہر عضو کے رگ و ریشہ میں۔ ہر جگہ یہی تین حالتیں نظر آتی ہیں۔ کیا یہ غلط ہے؟ کیا یہ صحیح نہیں ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر حجت کیسی؟ اس کو صحیح مانتے کیوں نہیں؟ اس کے ثابت کرنے کے لئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے۔ نہ کسی مقدس نوشتہ جات کی سند اور حوالہ دینے کی ضرورت ہے۔ جو ہے

وہ ہے "آفتاب آمد دلیل آفتاب"! سورج کو چراغ کیوں دکھایا جائے دن میں مشعل کیوں روشن کی جائے؟ کیوں انسان سمجھ بوجھ کر اپنی ریلئے آپ قائم نہ کرے؟ کیوں اس معمولی اور صاف بات کے لئے متقدمین و متاخرین کا چکر کاٹنے۔ کیوں کسی سے پوچھتا پھرے کہ ہم کیا ہیں؟ ہماری ہستی ثابت کرو؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو سمجھ لو وہ مسخرا ہے۔ وہمی ہے۔ اور ناحق جہل و نادانی میں مبتلا ہے۔

تمہارے تمام جسمانی نظام کے ہر حصہ میں یہ تثلیثی مدارج نظر آتے ہیں اب اگر نگاہ کو ذرا اور اونچی کرو تو تم اپنے میں تین ہستیوں کا نظارہ دیکھو گے۔

جسم
دل
روح

جسم ہے
دل سوچتا ہے
روح خوش ہوتی ہے

جسم میں ہستی ہے
دل میں غور و فکر ہے
روح میں خوشی ہے

جس مخلوق کو انسان کہتے ہیں وہ تین حالتوں کا خواہ تین ہستیوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں یہ تینوں موجود ہیں۔ جسم کو تو تم ظاہر ظہور دیکھتے ہو اس سے انکار نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ دل کی ہستی کی بھی کچھ نہ کچھ تم کو ضرور خبر ہے۔ کیونکہ جس شے سے تم سوچتے سمجھتے ہو وہ دل ہی ہے۔ اب رہا روح کی ہستی کا خیال ممکن ہے۔ تم وہم باطل کی وجہ سے بیہودہ وسوسات اور فضول خدشات کے شکار ہو کر کہہ اٹھو کہ یہ کچھ نہیں ہے۔ یہاں تم سخت غلطی میں پڑے ہو۔ دنیا میں ہر شے کا علم تین طرح پر ہوتا ہے:۔

پرمان
انومان پرمان
شبد پرمان

پرمان اندریوں کا علم ہے
انومان قیاس کا علم ہے
شبد شہادت کا علم ہے

تم دیکھ کر، سن کر، سمجھ کر علم حاصل کرتے ہو۔
تم اندازہ لگا کر علم حاصل کرتے ہو
تم کسی سے سن کر علم حاصل کرتے ہو۔

اندریوں کا علم تو تم جانتے ہی ہو۔ اندازہ اور قیاس کی بھی کسی حد تک سمجھ ہے۔ رہا علم شہادت یعنی شبد پرمان۔ اس کی نسبت ہم تم کو سوجھ سوجھاتے ہیں۔ تم کو اپنی پیدائش اپنے لڑکپن کا علم نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے کس دن کس تاریخ کس گھڑی کس نکشتر اور کس لگن میں پیدا ہوئے تھے۔ تم نہیں جانتے بچپن میں تمہارے حرکات و سکنات۔ عادات و اطوار رنگ ڈھنگ کیا تھے۔ تم نہیں جانتے کیسے اُٹھنا بیٹھنا سیکھا تھا اس کے لئے تم کو اپنے بزرگوں کی کہی سُنی باتوں پر یقین لانا پڑے گا تم اس یقین کے لئے کم سے کم زندگی کے اس طبقہ میں مجبور ہو۔ یہ ہم نے مانا کہ عقلی نمو کی حالت میں تم خود اس کا پتہ لگا سکتے ہو اور لگا لوگے۔ مگر ابتدائی مرحلہ میں علم شہادت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے یہ تینوں علم موجودہ ناقص اور غیر مکمل زندگی میں ضروری ہیں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اب نفس مطلب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ان تینوں علموں کے سوا۔ اب اگر تم اپنی زندگی کے اردگرد کے حالات اور واقعات پر نظر غائر سے دیکھو تو تم کو قیاسی طور پر روح کی ہستی کا علم ہو جائے گا۔

اوزار کے کام کرنے کے سامان ہے - کیونکہ

روح کرنے ہے
دل اوزار ہے
جسم سامان ہے

روح کام کرتی ہے
روح دل کے اوزار سے کام کرتی ہے۔
روح دل کے اوزار سے جسم پر کام کرتی ہے۔

یہ تثلیثی مثالیں ہر جگہ تم کو نظر آویں گی۔ جب معمولی کام میں ان تینوں کی ضرورت رہتی ہے تو پھر روحانی نظام میں کیسے نہ ہوگی۔ یہ بہت سہل اور معمولی سی بات ہے۔ اور اس پر غور کرنے سے خود بخود قیاسی طور پر روح کا علم ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کہو کہ روح دل ہی ہے۔ دل کے سوا اور کوئی روح نہیں ہے تو پھر اس حالت میں دل کو اوزار نہ کہہ سکو گے۔ بلکہ تجھے ادھر ہی کہنا پڑے گا مگر نہیں تم دیکھتے ہو کہ اس طبقۂ ہستی میں ہر جگہ تثلیث ہے۔ اور ہر کام میں تثلیث ہے۔ اس لئے چاہے ضد کی وجہ سے تم اس اصل شے کو روح نہ کہو کچھ اور ہی کہو مگر تثلیث کی جوڑی پر کسی نہ کسی وجود کو تو ماننا ہی پڑے گا نہ مانو گے تو جاؤ گے کہاں؟ یہ تو سب یہاں لازم بالملزوم ہیں۔ ایک کے ماننے سے تینوں ہی حالتیں آموجود ہوں گی۔ رہا لفظوں کا جھگڑا سو وہ بالکل فضول ہے سنتے تو ہے۔ اس کو کوئی نام دیدو۔ یہ ہر زمانے کہ خوانی مسرت آمد یہ تثلیث ہر جگہ ہے اور ہر حال میں نظر آتی ہے۔ جیسے

ناظم
منظور

قادر
قدرت
مقدور

فاعل
فعل
مفعول

سوال ۱۔ کیا وقت یعنی کال اور زمان میں بھی فرق ہے؟
جواب۔ ہاں جی ہاں
(۱) وقت کا جاننے والا یا مدار علیہ
(۲) وقت
(۳) وقت کا کام
سوال ۲۔ کیا مکان یعنی دیش میں بھی یہی سلسلہ رہتا ہے؟
جواب۔ بیشک۔
(۱) دیش کا آدھار
(۲) دیش
(۳) دیش کا کام
سوال ۳۔ کیا وستو یعنی شے میں بھی تثلیثی تدات ہیں؟
جواب۔ کیوں نہیں۔ جب یہ تثلیث اور ترپٹی کا طبقہ ہی ٹھہرا۔ تو وستو کیسے ایک ہو سکتی ہے۔ یہاں تو قدم قدم پر وہی نظارا سامنے آوے گا۔ اس سے بچاؤ کیسے ممکن ہے۔ یہ سب تثلیث کے میدان میں رہتے ہیں۔
(۱) وستو کا مدار علیہ یا ادھشٹھان
(۲) وستو یعنی شے موجودہ
(۳) وستو کا مقصد
اور پھر دیکھو۔ یہ سب بھی تو خود مل کر اپنی ترپٹی بناتے ہیں۔
(۱) دیش
(۲) کال
(۳) وستو

الغرض یہاں ہر جگہ ترپٹی اور تثلیث عارض ہے۔ کوئی خیال لے لو۔ کوئی کام لے لو۔ کوئی چیز لے لو۔ سب میں تثلیث ہے۔

سوال ۴۔ کیا کارن یعنی علّت میں بھی تثلیث ہے؟

جواب۔ ہاں۔

علل یعنی علّت کا مدار علیہ

علّت یعنی کارن

معلول یعنی کارج

جہاں کام ہوگا وہاں کوئی نہ کوئی سبب ہوگا۔ وہی سبب کام کا متحرک اور باعث ہوگا۔ اور جب کام ہوگا تو کام کا کرنے والا بھی ماننا ہی پڑے گا۔ سبب نتیجے اور سبب و نتیجوں کا پیدا کرنیوالا تینوں ہی ضرور رہیں گے۔

سوال ۵۔ میرا یہ مطلب پوچھنے کا نہیں تھا۔ میرا سوال کچھ اور ہی تھا۔ اور آپ نے کچھ اور جواب دیا۔

جواب۔ پھر کیا ہوا۔ ہم کہیں چلے تو نہیں گئے۔ پھر پوچھو جو کچھ پوچھنا ہو گا اُلٹا سیدھا جواب دیدیں گے۔

سوال۔ کیا خود کارن یعنی علت میں بھی تثلیث موجود ہے؟

جواب۔ ہاں صاحب موجود ہے۔ ہمارے شاستروں نے تین طرح کے کارن مانے ہیں۔

اپادان

نمت

اسادھارن

اردو میں تم ان کو علّت فاعلی، علّت اوزاری اور علّت مادی سمجھ لو۔ ممکن ہے یہ لفظ موزون نہ ہوں۔ مگر ان سے مطلب بارِی ہو جائیگی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو

کمھار

کمھار کا تاگا یا چکر دونڈ۔ یا اس کا ہاتھ اور

مٹی

یہ تین کارن کہلاتے ہیں کمھار، مٹی اور چاک تینوں ہی ضروری ہیں کسی ایک کے نہ ہونے سے کام نہیں بن سکتا جب تینوں موجود ہوں تب ہی برتن اور بھانڈے اور گھڑے وغیرہ گڑھے جائیں گے۔ برتن اور باسن کے ظہور کے لئے تینوں کی موجودگی اور تینوں کی ہستی لازمی ہے۔ نہ ایک سے کام ہوسکے گا نہ دوسرے۔

سوال۔ جس طرح آپ نے انسان کی تثلیثی مد قائم کی ہے اسی طرح کیا ایشور کی بھی تثلیث ہے؟

جواب۔ تمہارا ایشور چونکہ تثلیث کے سلسلہ کا وجود ہے۔ وہ بیچارہ ان رشتوں سے آزاد کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ بھی ان بندھنوں سے جکڑا ہوا ہے جیسے انسان روح۔ دل اور جسم کا مخلوق ہے۔ ویسا ہی ایشور بھی تثلیثی ہے۔ اس غریب کو ان سے چھٹکارا کب نصیب ہوسکتا ہے۔ دیکھو

ایشور
پرکرتی
جیو

ایشور
ایشوری ماما
ایشوری بچے (یعنی جیو)

ایشور کی روح
ایشور کا جسم
ایشور کا دل

یہ تینوں ہی ہر جگہ موجود ہیں۔ جو انسان میں ہے۔ وہی ایشور میں بھی ہے۔ جو اس میں ہے وہی اُس میں بھی ہے۔

سوال کرنیوالا۔ رام رام! تم نے غضب ہی کر دیا۔ ایشور کو بھی جیو بنا دیا۔ اس میں تمہاری سخت غلطی ہے۔

شیو۔ بات تو ہم نے ٹھیک کہی ہے۔ اگر ہٹ دھرمی یا پکش پات اور تعصب کی وجہ سے تم نہ سمجھو۔ یا حقیقت کی طرف سے آنکھ میچ لو تو ہم کیا کریں۔ قصور تمہارا ہے۔ ہمارا قصور نہیں ہے۔ تم نے سوال کیا۔ ہم نے جو کچھ سمجھا جواب دے دیا۔ تم جواب کو سُن کر "رام رام" کہہ اُٹھے۔ کوئی متشرع مسلمان ہوتا تو وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہتا۔ یا تو سوال نہ کرو جواب نہ دیا جائے گا اور یا اگر سوال کرتے ہو تو شانتی اور قرار کے ساتھ اس کا جواب بھی سنتے چلو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ تاکہ نگاہ اونچی ہوتی چلے اور مذہبی خندق سے باہر نکلو۔ اور اگر یہ منظور نہیں ہے۔ پکشپاتی بننا ہے تو جاؤ ہوا کھاؤ۔ "تابخیر و شما بسلامت" "چشم ما روشن و دل ما شاد"۔ لینا ایک نہ دینا دو"۔ ہم سچائی کو کیوں چھپائیں۔ جو پوچھے گا اس سے کہیں گے۔ جو نہ پوچھے گا اس سے ہم کبھی اُلجھتے بھی نہیں۔ یہ ہمارا اصول ہے۔

سوال کرنیوالا۔ معاف کیجئے گا۔ میرا مطلب آپ کو سخت سُست کہنے کا نہ تھا۔ سخت سُست سننے کا تھا۔ میں نے آپ کو یوں ہی سخت سُست کہہ دیا۔ اب یہ بتائیے کہ ایشور میں جو آپ نے ترپٹی قائم کی ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟

شیو۔ مطلب اس بات کو کھول کر دکھا دینا تھا کہ جیسے تم ہو۔ ویسے ہی تمہارا ایشور بھی ہے جیسے تم شریر دھاری ہو۔ ویسے ہی تمہارا ایشور بھی شریر دھاری ہے جیسے تم آکار والے ہو ویسا ہی تمہارا ایشور بھی آکار والا

ہے۔

سوال کرمیوالا۔ آپ کو تو میں آستک سمجھتا تھا اور پکّا دیندار مانتا تھا اس وقت تو آپ ناستکوں کی طرح بات چیت کر رہے ہو۔ کیا آپ ایشور وادی نہیں ہو۔

شیو۔ تم پھر تیلی کے بیل کی طرح جہاں تھے وہاں ہی گھوم پھر کر آ گئے۔ مُرغ کی وہی ایک ٹانگ والی مثل تم پر عاید ہوتی ہے۔ مرد آدمی! کہاں کے آستک اور کہاں کے ناستک۔ ناستک کے معنی یہ نہیں ہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے ناستک تو اس کو کہتے ہیں جو ویدوں کی نندیا کرے۔ ہم وید نندک نہیں ہیں رہا ایشور وادی ہونا۔ سو نہ ہم وادی ہیں نہ پروادی ہیں۔ جو ہیں وہ ہیں۔ تم جانتے ہی ہو کہ اپنی مذہبی زندگی میں ہم سچائی و مضبوطی کے ساتھ کتنے مرحلے طے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ نہ کہیں اٹکے نہ کہیں بھٹکے۔ نہ کسی خاص سدّھانت میں لٹکے نہ کسی جھوٹ و فریب کے پاس پھٹکے۔ ہم نے تمہارے ایشور کی ہستی سے انکار کب کیا جو تم ہم کو ناستک بتلانے لگے۔ ہم تو اس کی ہستی ثابت کر رہے ہیں۔ اور تم کو صاف لفظوں میں بتا رہے ہیں۔ کہ ایشور رہے اپنی ہستی رکھتا ہے۔ مگر بات صرف یہ ہے جیسے تم آپ ہو ویسا ہی تمہارا ایشور بھی ہے۔ فرق اتنا ہے تم چھوٹے ہو وہ بڑا ہے۔ تم الپگیہ ہو وہ سروگیہ ہے۔ تم الپ شکتی والے ہو۔ وہ سرو شکتیمان ہے۔ اس میں تم نے کیا ناستکتا دیکھی جو ہم کو ناستک کہنے لگے بھائی! بات چیت کرنے کا یہ ڈھنگ نہیں ہے۔ یا تو جگیاسو اور محقق بن کر آؤ یا ان جھگڑوں کو چھوڑ دو۔ ہم آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مذہبی جھگڑوں میں کب پڑتے ہیں۔ نہ تم پوچھتے، نہ ہم کہتے۔ اگر ہماری باتوں سے تم کو بُرا معلوم ہوتا ہے تو جانے بھی دو۔

سوال کرنیوالا۔ میری غرض ناستک کہنے سے صرف آپ کی حیثیت معلومات اور طرز خیال دریافت کرنے کی تھی۔ اور کچھ بھی نہیں۔ میں پھر معافی چاہتا ہوں۔ آپ ایشور کو شریر دھاری کیسے کہتے ہو؟

شیو۔ جیسے ہم تم کو شریر دھاری کہتے ہیں جیسے تمہارے شریر ہے۔ ویسے ہی ایشور کے بھی شریر ہے۔

سوال ۷۔ ایشور کا شریر کیا ہے!

جواب۔ یہ جو جگت استھول روپ سے تم کو نظر آ رہا ہے وہ تمہارے ایشور ہی کا شریر ہے کسی اور کا نہیں ہے جیسے تم اپنے جسم میں رہتے ہو۔ ویسے ہی ایشور بھی اس جگت روپی شریر میں رہتا ہے۔ تمہارا شریر چھوٹا ہے اس کا شریر بڑا ہے۔

سوال ۸۔ ہمارے تو تین شریر ہیں۔ کارن۔ سوکشم استھول

جواب۔ ایشور کے بھی تین شریر ہیں۔ کارن سوکشم استھول۔

سوال ۹۔ ان کا ثبوت؟

جواب۔ جس ثبوت یا دلیل سے تم اپنے تین شریر قائم کرتے ہو۔ اسی دلیل اور ثبوت سے ایشور کے بھی تین شریر قائم کئے جا سکتے ہیں۔ یہ تم جانتے ہو کہ استھول ہمیشہ سوکشم کے آدھار پر رہتا ہے۔ اور سوکشم ہمیشہ کارن کے آسرے رہتا ہے جیسے پرتھوی جل کے آدھار پر ہے اور جل وایو کے آدھار پر ہے۔ پرتھوی استھول ہے جل سوکشم ہے۔ اور وایو اس سے بھی زیادہ سوکشم ہے۔

سوال ۱۰۔ پرتھوی جل کے آدھار پہ کیسے مانی جائے۔ بلکہ جل خود پرتھوی کے آدھار پر ہے۔ پانی برتن میں رہتا ہے۔ نہ کہ برتن پانی میں رہتا ہے۔

جواب۔ یہ تم نے اپنی ان سمجھی سے ایسی بات کہی ہے۔ سوچ وچار نہیں کیا تمہاری مثال بادی النظر میں گو صحیح معلوم ہو۔ مگر وہ صرف جزوی طور پر صحیح ہے ایسا کیوں نہیں سمجھتے۔ جگت میں پانی ہی کا حصہ زیادہ ہے۔ جو ستھول روپ میں سمندر کہلاتا ہے۔ اسی سمندر کے پانی میں جب متھن ہوئی تو اس سے جھاگ پیدا ہوئی۔ یہی جھاگ جب ذرا خشک ہو گئی۔ تو وہ زمین کہلائی۔ زمین پانی پر ہے اور پانی اس میں مالا کے تاگے کی طرح اوت پروت ہے۔ جہاں نہاں وہی پانی۔ اور آخر میں پرتھوی خود پانی میں لے ہوتی ہے۔ یہ ثبوت ہے کہ پرتھوی پانی کے آدھار پر ہے۔ برتن اور پانی کی مثال صرف ایک انگ میں صحیح ہے اور اس انگ میں تو وایو اگنی اور آکاس بھی تمہارے برتن کے آسرے نظر آئیں گے۔ کیونکہ یہ سب تتو اس کے اندر رلے ملے ہیں۔ اگر اس بات کو سمجھ لو کہ برتن خود پانی کی ٹھوس شکل ہے۔ تو تمہارا اعتراض دور ہو جائے گا۔ اور اس حالت میں برتن بھی جل کے آدھار پر نظر آئے گا۔ کیونکہ ٹھوس پرتھوی کے پرمانو جل روپ ہی ہیں۔ اور یہ جل وایو۔ اگنی اور آکاس کا روپ ہے نظر کو ذرا اونچی کرو تب یہ معمہ حل ہو گا۔ اور اگر جزویات میں پھنس کر جلپ اور وتنڈا باز وغیرہ سے کام لے کر اپنے پکش کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہو تو تم کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ ہم فضول اور بے معنی منطقانہ بحث سے پرہیز کرتے ہیں۔

سوال[۲]۔ یہ سچ ہے جب ستھول جگت ایشور کا روپ ہوا۔ تو اس کا سوکشم اور کارن بھی ضرور ہو گا۔ اس کو طبیعت قبول کرتی ہے۔ اب یہ بتائیے کہ جس طرح جاگرت اور سوپن اور سوسپتی کے ابھمان سے۔ جیو۔ وشو تیجس اور اور پراگیہ نام پاتا ہے۔ کیا ایشور کے بھی ایسے ہی نام ہوتے ہیں؟

جواب۔ ہاں تمہارا ایشور بھی جاگت سوتا اور سوشپتی میں جاتا ہے تمہاری طرح اس میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کیونکہ جہاں ترپٹی اور تثلیث کے مدارج موجود ہوں گے۔ وہاں تبدیلی کا آنا امر لازمی ہے۔ جس طرح جاگتے وقت جیو "وشو" سوتے وقت تیجس اور گہری نیند میں "پراگیہ" کہلاتا ہے۔ اُسی وقت ایشور کو "وراٹ" سوتے وقت "ادیاکرت" اور سوشپتی کے ابھمان سے "ہرنیہ گربھ" کہتے ہیں جیسے مختلف حالتوں میں تمہارے نام ہیں۔ ویسے ہی ایشور کے بھی نام ہیں۔ اور اسی وجہ سے تو ہم نے کہا تھا کہ جیسے تم ویسا ہی تمہارا ایشور۔ اس ترپٹی کی شکل یوں سمجھو

۸۔ حالتیں - جاگرت
سوپن
سوشپتی

حالتوں کا ابھمانی جیو - وشو
تیجس
پراگیہ

حالتوں کا ابھمانی ایشور - وراٹ
ادیاکرت
ہرنیہ گربھ

کیوں مشابہت کی نسبت قائم ہوئی یا نہیں؟ یا اب بھی کچھ کسر باقی ہے۔

سوال کرنیوالا۔ ہاں باقی ہے

شیو۔ اُسے بھی کہہ ڈالو۔ کوئی بات باقی نہ رہنے پاوے۔ مگر بات چیت شانتی کے ساتھ ہو۔ تب لطف آئے گا

سوال ۱۲۔ ہم میں سر پیٹ۔ اور پاؤں ہیں۔ کیا ایشور میں بھی یہ عضو ہیں

جواب۔ بیشک سرگ (یہ جگت کا سرا) اُس کا سر ہے۔ انترکش (جگت کا درمیانی حصہ) اس کا پیٹ ہے۔ پرتھوی۔ پاتال۔ یا اور جو کچھ نام رکھو۔

دھگبت کا انتہائی حصّہ، اُس کا پاؤں ہے۔

سوال کرنے والا۔ لیکن یہ بات النکار واستعارہ میں کہی گئی ہے تاکہ لوگوں کو کچھ سمجھ بوجھ آوے

شیو۔ یہ تم کو اختیار ہے۔ النکار کہو یا استعارہ کہو۔ ہم تو اس کو پرتکش دیکھتے ہیں اور پرتیکش ہی مانتے ہیں۔ جب کوئی اصلیت ہوتی ہے تب ہی بات کہی جاتی ہے۔ تم ہاتھ کو گھما کر ناک کو پکڑتے ہو۔ ہم سیدھے پکڑتے ہیں۔ تم وہم فاسد کے شکار ہو۔ ہم صاف صاف دیکھتے ہیں۔ ہم میں اور تم میں یہ فرق ہے۔ بھلے مانس سچی سچی بات کو سچے سچے طریقہ میں کیوں نہیں سمجھتے۔ اَنُوبھو رہت متوالوں اور رہت متانتر والوں کی طرح کیوں چال چلتے ہو۔ جب تم نے اپنا آپا دیکھ لیا۔ اور ایشور کا بھی سھول روپ نظر آگیا پرمان گیان تو مل گیا۔ اب انومان اور شبد سے کام لو۔ تاکہ حقیقت کی سمجھ بھی آتی چلے۔ اور اگر یوں ہی باتیں بنانی ہیں تو کم از کم شیو جی کو معاف رکھو۔ پلیٹ فارم کے دندنا مولے لکچر بازوں سے جا کر بحث مباحثہ کیا کرو۔ یہاں تو صاف صاف بات ہوتی ہے۔ لگاؤ لپیٹ کا نام نہیں پکش پات اور تعصب سے کام نہیں۔ جو جیسا سمجھا کہہ دیا۔ اور جب تک کوئی بات انوبھو سے ساکشاتکار نہیں کر لیتے۔ تب تک ہم کسی سے کچھ بھی نہیں کہتے چاہے کوئی بُرا کہے یا بھلا کہے۔ پرواہ نہیں ہے۔ بُرا کہنے والے بھی اپنے گھر خوش رہیں۔ بھلا کہنے والے بھی خوش رہیں۔ ہم کو پورا پورا گورو کی اپار کرپا سے اطمینان و یقین ہو گیا ہے کہ ہم مذہب کے خوفناک گڑھے سے باہر نکل آئے۔ اور کوئی اگر اس میں پڑتا ہے تو وہ گرے پڑے۔

سوال ۱۲ ۔ آپ کی باتوں میں سچائی ہے۔ وہ اثر کرتی ہے۔ اور لوگ تو سنی ہوئی کہتے ہیں۔ آپ چھپی یا لکھی ہوئی کہتے ہیں۔ اور کمائی کی ہوئی کہتے ہیں اس لئے وہ دل میں اتر جاتی ہے۔ اور تیر کی طرح نشانہ پر بیٹھ جاتی ہے۔ اب آخری سوال میرا یہ ہے کہ کیا ہماری طرح ایشور بھی جنمتا مرتا ہے۔ کیونکہ جب وہ تبدیلی کے طبقہ میں رہتا ہے تو اس کو بھی جیو کی طرح مرنا جینا پڑتا ہی ہوگا۔

جواب ۔ سنو۔ ایشور کے بارے میں ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے پاس ادب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ رہا جنم و مرن کا سوال۔ وہ یوں بھی غلط سوال ہے۔ نہ کوئی مرتا ہے۔ نہ جنمتا ہے۔ صرف تبدیلی کے مدارج سے گزرنا ہوتا ہے۔ جیو بھی نہ پیدا ہوتے ہیں نہ مرتے ہیں۔ وہ ایشور کی طرح انادی اور اننت ہیں۔ موت اور زندگی نسبتی الفاظ ہیں۔ ان کا مطلب صرف تبدیلی سے ہی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی تمہارے روزانہ تبدیلی کے واقعات ہیں۔ جب تم جاگتے ہو۔ تب سوتے نہیں جب خواب دیکھتے ہو تو سوشپتی میں رہتے ہو اسی طرح جاگرت سوپن اور سوشپتی کی شکلیں یا مدارج جو ایشور کے بیوہار میں ہیں وہ جیو کی نظر سے

سرشٹی
استھتی
پرلے اور

ازل
حال
ابد

کہلاتی ہیں۔ تم جس طرح روز روز جاگتے سوتے ہوئے سو برس کی زندگی

بسر کرتے ہو. اس کے بعد گُپت ہو جاتے ہو اسی طرح ایشور بھی سرشٹی ستھتی اور پرلے کے کام کو زیادہ عرصہ تک کرتا ہوا بچپرتے ہو جاتا ہے اس وقت سرشٹی نہیں رہتی.

سوال ۱۳۔ جیو کی نظر سے اس لے کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب۔ تم بات پوچھتے ہو اور بات کی جڑ پوچھتے ہو. اس لے کی بھی ترپٹی ہوتی ہے۔

روزانہ سوشپتی کا لے (جو چھوٹی موت ہے)

عمر کے خاتمہ کا لے (جو جیو کی موت ہے)

ایشور کا لے (جو سب سے بڑی موت ہے)

سوال ۱۴۔ یہ جو آپ نے ایشور کا لے کہا ہے تو وہ برہما کا لے کہا جاتا ہے۔

جواب۔ ایشور میں بھی ترپٹی ہے۔

برہما
وشنو
مہیش

سرشٹی کرتا برہما ہے جس میں کرم پردھان ہے۔ استھتی کرتا وشنو ہے جس میں بھگتی پردھان ہے۔ یہ ایشور کی تین صورتیں ہیں۔ جیسا جس وقت کام کیا جاتا ہے۔ ویسا نام اور ویسا روپ بھی ہوتا ہے۔ برہما کا لے کرم کے بعد ویسے ہی ختم ہوتا ہے جیسے تمہارے جاگرت کا کام سوپن میں ختم ہوتا ہے. وشنو کا لے استھتی کے بعد ہوتا ہے. وہی شیو کا سنگھار کرنا کہا جاتا ہے۔

سوال ۱۵۔ خوب! اس سلسلہ میں تو مذہبی تعلیم کی بھی ترپٹی بن گئی۔

جواب۔ ہاں۔

کرم
اُپاسنا
گیان

یہ ترپٹی ہیں۔ پہلا کرم۔ دوسری اُپاسنا اور تیسرا گیان ہے۔ ان میں بھی تثلیث ہے اور ان کا تعلق انسان کی عمر کے لحاظ سے ہوتا چاہیئے چوبیس برس تک کرم۔ چوبیس سے اڑتالیس تک اُپاسنا۔ اڑتالیس سے بہتر برس تک گیان۔ پھر گیان کا تیاگ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر مخلوق میں تین گن ہوتے ہیں۔

رج
ست
تم

یہ گنوں کی ترپٹی ہے ابتدا میں رجوگن کا زور ہوتا ہے۔ اس لئے کرم کرنا چاہیئے۔ وسط میں ستوگن پر دھان ہوتا ہے۔ وہ وقت اُپاسنا کا ہے آخر میں تموگن کی باری آتی ہے وہ گیان سے مخصوص ہے۔ اپنی و دوسروں کی عمر کے لحاظ سے ان کا باہمی مقابلہ کرو۔ خود ہی سمجھ جاؤ گے کہ آیا یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ ابتدا میں انسان چنچل ہوتا ہے۔ کیونکہ کرم کا زور رہتا ہے چنچلتا رجوگن ہے۔ وسط میں آنند لینے کا خیال ہوتا ہے۔ آنند ستوگن ہے۔ آخر میں تجربہ کے بعد الستیہ و بے پرواہی آجاتی ہے۔ یہ تموگن ہے۔ جب رج اور ست کے دور ختم ہوتے ہیں تب تموگن آتا ہے اور پھر زندگی کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

سوال ۱۶۔ اب جاکر ان کے اثر کا پتہ لگا۔ ان گنوں کے روپ رنگ کیا ہیں؟

جواب۔ ان کے روپ اس طرح سمجھو۔

رجوگن	برہمانی یا ساوتری	سُرخ رنگ
ستوگن	وِشنوی شکتی یا لکشمی	سفید رنگ
تموگن	رُودرانی یا پاروتی	سیاہ رنگ

یہ شکتیاں برہما۔ وشنو۔ مہیش کی اردھنگیاں ہیں۔ اُن ہی کے ساتھ رہتی ہیں۔ اور وقت پڑے اپنا بیوہار کرتی ہیں۔

سوال ۱۶ جیسے ایشور میں آپ نے شکتی قائم کی ہے۔ کیا جیو میں بھی وہ شکتی ہے؟

جواب۔ کیوں نہیں۔ ہونے کی شکتی۔ جاننے کی شکتی۔ خوش ہونے کی شکتی۔ یہ جیو میں موجود ہیں۔ اور تمام شکتیاں ان ہی شکتیوں کے زمرہ میں آجاتی ہیں۔ جو بات ایشور میں ہے۔ وہی جیو میں بھی ہے۔ صرف چھوٹائی بڑائی کا فرق ہے۔ اور غور کرنے پر یہ اوصاف اس کی ذات میں شامل ہیں۔ کیونکہ ایشور کی طرح وہ بھی

ست

چت

آنند

ہے۔ ست میں "ہے پنا" یعنی ہستی ہے چت میں "جان پنا" یعنی ادراک اور گیان ہے۔ آنند میں "سُکھ پنا" یعنی سرور ہے۔ کون ایسا ہے جو رہنا۔ جاننا اور خوش ہونا نہیں چاہتا۔ یہ اس کا جوہر ہے۔ خاصہ ہے۔ اور اس کی ذات ہے۔

ذات و علم و سرور ہم ہیں ... برزخ و سایہ نور خود ہم ہیں
ذات حق کے تمام ذات صفات ... ہم میں موجود لیے دل میں بات

اربعہ چار

جس طرف دیکھئے ہیں چار ہی چار
چار کی ہر جگہ ہے فصلِ بہار

نہ وہ ایک ہے نہ دو ہے۔ نہ تین ہے بلکہ وہ چار ہے۔ چار مختلف ہستیوں کا دنیا میں قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ ہو بھی چار ہی سکتی ہیں ایک کا کھنڈن تو "دویت وادی" دوئی کے ماننے والے کے کلام سے ہوگیا۔ "دویت وادی" کی تردید "ترئیت واد" والے تثلیث پرستوں کی۔ تثلیث پرست کی مخالفت چار چوکڑی ماننے والا کرتا ہے۔ اس کی بھی بات ضرور سننی چاہیئے۔

وہ کیسے؟

وہ اس طرح پر کہ ہستی کے ارکان جو تثلیث پرستوں نے قائم کئے ہیں ان کے ٹکاؤ کا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ آخران کا کوئی آدھار بھی ہوگا یا نہیں۔ یا وہ یوں ہی رہیں گے! اسی ٹکاؤ کو چوتھا پد کہتے ہیں اور سب اسی کے آسرے رہتے ہیں مثلاً:-

(۱) ایشور	(۲) ا	(۳) سرشٹی
جیو	و	سنتھی
پرکرتی	م	پرلے
چوتھا پد - برہمہ	چوتھا پد - اوم	چوتھا پد - ان کا آدھار

قاعدہ کی بات ہے۔ کاریگر۔ کاریگر کا اوزار۔ کاریگری کے کام کا طبقہ۔ یہ تینوں چیزیں ضروری ہیں۔ مگر کوئی ایسے آدھار کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جو کاریگر کا بھی مدار علیہ ہو۔ اور جس کے سہارے کاریگر رہتا ہو۔ یا جو کاریگر یا کاریگروں کے پیدا کرنے۔ بنانے اور کام پر لگانے کا ذریعہ ہو۔ یہ چوتھا پد اگر ممکنات سے ہے تو اپنی نوعیت کے لحاظ سے وہ ایک قسم کا بھنڈار یا مخزن ہوگا۔

تین پد کی ہستی کا علم تو ہر ایک کو ہے۔ علم سائنس کی زبان میں انکو "تھری ڈائمنشن" یعنی مدارج ثلاثہ کہتے ہیں۔ سائنس اب تک صرف ان ہی تینوں کی ہستی کو تسلیم کرتا رہا ہے۔ مگر اب اس کی خیالی نگاہ چوتھے پد کی طرف بھی رجوع ہوئی ہے۔ اور اس کے اظہار کے لئے اس نے "فورتھ ڈائمنشن" یعنی "چوتھے درجہ" کی نئی اصطلاح گھڑلی ہے۔ تاہم اب تک وہ زیر بحث مضمون ہے۔ مذہبی دنیا میں اگر لاکھوں نہیں تو ہزاروں اور سینکڑوں برس سے ان چاروں کی ہستی کا یقین اور اپنے خاص ڈھنگ پر ان کی صراحت کا سامان موجود ہے۔ حضور رادھا سوامی دیال جی کی تعریف میں چوپائی کی ایک کڑی آئی ہے۔

تین چھوڑ چوتھا پد دینھا　　ستنام ستگورگتی چینھا

سنتوں کی بانی میں جا بجا اس چوتھے پد کا ذکر آیا ہے۔ پرم سنت کبیر صاحب اور گورو نانک صاحب کے بھجنوں میں بھی بار بار اس چوتھے پد کا خیال دلایا گیا ہے۔ یہی چوتھا پد مذہب فقرا کا معراج اور آدرش ہے۔

دنیا میں جس طرف تم نگاہ کروگے۔ اور جس شے کو ہاتھ لگاؤ گے اس کا ایک نہ ایک مخزن یا بھنڈار ضرور ماننا پڑے گا۔ مادی دنیا میں تم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہیں نہ کہیں جگہ کاغذ کا بھنڈار ہے۔ جہاں سے کاغذ سب کو مہیا کیا جارہا ہے کسی نہ کسی جگہ سیاہی کا خزانہ ہے۔ جہاں سے سب کو سیاہی ملتی ہے۔

کہیں یہ بھنڈار بھوک کی صورت میں کام کرتے ہیں۔ کہیں خوراک فروشی کی شکل میں۔ ان کی ہستی سے انکار کرنا سخت غلطی اور غلط فہمی ہوگی۔ عناصر کے طبقہ میں ہم پانی مٹی۔ ہوا آگ کے بھنڈار دیکھتے ہیں۔ گرمی۔ روشنی بجلی کے بھنڈار بھی اسی طرح موجود ہیں۔ یہ رچنا ہی کچھ بھنڈاروں یا کوٹھڑیوں کی رچنا ہے ہر جگہ ہر کام اور ہر چیز کے بھنڈار بکھرے ہوئے ہیں۔ کائنات کے علم حاصل کرنے کا بہترین طریقہ جسم انسان کا مطالعہ ہے۔ اس کے رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں قدرتی طاقتوں کی کوٹھڑیاں ملیں گی۔ اگر کوئی تیز خوردبین ہاتھ آجائے تو تم سب سے پہلے جسم کے چمڑے کو دیکھو۔ ظاہرا وہ چکنا نظر آئے گا۔ مگر خوردبین اس کی چکنی سطح کو کھر کھری دکھا کر بیشمار چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں کی صورت میں منقسم ظاہر کرے گی۔ ان میں سے ہر ایک کوٹھڑی بطور خود خاص خاص ضرورت کے رفع کرنے کا سامان اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ ان کا علم حاصل کرنا انسان کی موجودہ عقلی تکمیل سے ناممکن ہے۔ وہ کس کس کی صراحت کرتا پھرے گا۔ ان کی کثرت کو دیکھ کر عقل یوں ہی چکر کھا جائے گی۔ حساب لگانا یا شمار کرنا تو درکنار رہا۔ اس لئے ان کی طرف سے آنکھ کے بیچ لینے ہی کی ضرورت ہے۔ اب اگر خاص طور پر جسم کے خاص حصوں کی بناوٹ پر نگاہ ڈالو۔ تو وہاں بھی تم کو بھنڈاروں کی ہستی کا علم ہوگا۔ تمہارے جسم میں جتنی اندریاں ہیں خواہ وہ گیان کی ہوں یا کرم کی بھنڈار ہی تو ہیں۔ آنکھ بصارت کا۔ کان سماعت کا۔ زبان ذائقہ کا۔ ہاتھ پکڑنے و کام کرنے کی حرکت کا بھنڈار ہے۔ علے ہذا القیاس اسی طرح خیالات کا دل بھنڈار ہے۔ اور دل ہی اندریوں کا بھی بھنڈار ہے جس طرح یہ خیالات کو اپنے اندر سے نکالتا ہے۔ ویسے ہی جتنی اندریاں چاہے اپنے اندر سے پیدا کر سکتا ہے۔ تم چونکہ ابھی تک ان باریک و لطیف مسائل

سے خبر نہیں رکھتے۔ اس لئے اس کو جیوں کا تیوں نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اس کے نہ سمجھنے سے چنداں ہرج بھی نہیں ہے اس لئے جس نے راون کے دس سر اور بیس ہاتھ بنائے اسی نے سانپ کو کئی سر دیئے۔ اسی نے بعض بعض سانپوں کے ہر دو سروں کے طرف ایک ایک منہ لگا دیئے ہیں پورب میں اس قسم کے سانپ کو دو منہ والا سانپ کہتے ہیں۔ تم خود اگر چاہو تو اپنے من سے اسی طرح کا کام کر سکتے ہو سارا کھیل و تماشہ دل کا ہے۔ الغرض یہ دل بھی ایک طرح کا بھنڈار ہے۔ اب اگر غور کرو تو اس دل کی بھی چار صورتیں نظر آویگی۔

روحانی	روحانی	روحانی	برہم	نرگنی
نیلوفری	اعلیٰ	ملکوتی	وشنو	ستوگنی
صنوبری	درمیانہ	انسانی	برہما	رجوگنی
مدوری	سفلی	حیوانی	شیو	تموگنی

تین جو نیچے کے دل ہیں سب روحانی دل پر اپنا دار و مدار رکھتے ہیں۔ اور اسی کے آسرے سے قایم ہیں ممکن ہے ہم نے اُنکا غلط استعمال کیا ہو ممکن ہے صحیح ہو اگر لفظوں کو دیکھتے ہو تو ہماری مُراد نہ سمجھ سکو گے۔ اور اگر نفس مطلب کی طرف خیال رکھتے ہو تو ہم بخوبی تمہارے ذہن نشین کر سکینگے۔ سفلی۔ حیوانی اور مدوّری من تامسی کہلاتا ہے۔ یہ کام کرتا ہے۔ مگر اُس کام کے اظہار کی صورت کی صراحت نہیں کر سکتا تم کا او دھشٹان شیو ہے اور اسے حیوانی مدوّری اور سفلی دل کا شیو کے رقبہ نظام کے ساتھ تعلق ہے۔ اس کے کام کے نسبت اپنے جسم کے اندر خیال کرو حلق کے نیچے (زبان کے تلے) اس کی عملداری شروع ہو جاتی ہے۔ زبان میں چونکہ ذائقہ کا گیان ہے۔ اس لئے کھانے اور لقموں کے چباتے وقت تک تو تم کو علم رہتا ہے۔ مگر حلق کے نیچے اُترتے ہی پھر تم نہیں کہہ سکتے کہ کس طرح وہ معدہ میں جا کر تحلیل ہوتا ہے۔ اور خون وغیرہ کی شکل میں تبدیل ہو کر کس طرح جسم کے رگ و ریشہ میں

گیان سروپ ہیں اس لئے دل حیوانی کے مدارج بھی وہ ہی ہیں۔ اس دل کے کہنے کا رقبہ غیر محدود اور نہایت وسیع ہے۔ نیچے سے لے کر اونچے تک۔ اور ایڑی سے لے کر چوٹی تک اس کا عمل ہوا کرتا ہے۔ مگر ہم کو علم نہیں ہوتا۔ گیان کا ہونا اسی طرح ہوتا ہے۔ سفلی یا حیوانی کا نام سن کر یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ حقیر شے ہے۔ ممکن ہے تم نے تموگن کے معنی بھی محض سستی، کاہلی اور موٹا پن سمجھ رکھا ہو۔ مگر یہ مراد صرف نسبتی ہے یہ بات صرف ظاہر حرکت کے لحاظ سے کہی گئی ہے۔ ورنہ اس کا خیال رہے کہ پرکرتی یعنی مادہ کے طبقہ میں تبدیلی ہر جگہ ہوتی رہتی ہے اور تبدیلی کا دوسرا نام حرکت ہے۔ یہ گیان کا روپ ہے دل مدوری اس کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کا کام گول گول ہوا کرتا ہے۔

سفلی دل کی مختصر تشریح ہو گئی۔ اب درمیانہ خواہ وسطی دل کی صراحت سنو۔ اس کا رقبہ محدود ہے ”نہ بر آسمان و نہ زیر زمین“ نہ ادھر نہ ادھر بیچ میں لٹکا ہوا۔ یہ دل انسان سے مخصوص ہے اور اسی کی مدد سے وہ سوچتا وچارتا زمین و آسمان کے قلابے ملاتا رہتا ہے۔ اس کے ادھشٹاتا برہما جی ہیں جو آدمیوں کے پتامہ اور کرم کانڈ کے پرچارک ہیں۔ کرم اگیان میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ سوچ وچار ہے۔ سوچ وچار غور و فکر پس و پیش یہ سب اگیان یعنی جہالت کی علامتیں ہیں۔ کرم محدود ہے اس لئے اس درمیانی من کا کام بھی محدود ہے اور چونکہ کرم میں کشمکش جدوجہد محنت و مشقت ہے۔ کرم رجوگن سے مخصوص ہے اور اس کا نتیجہ دکھ سکھ، سوگ ہرگ، کامیابی و ناکامیابی

وگیان کا چوتھا نکتہ

جنم مرن ۔ آواگون وغیرہ ہے ۔ ویدکرم کانڈ یعنی اگیان کی شریعت کے قانون ہیں اور انسان ان پر چلنے سے اوپر نیچے نکلتا خواہ چڑھتا اُترتا رہتا ہے مکتی کو کبھی نہیں پاتا ۔ کیونکہ کرم میں مکتی نہیں ہے ۔ یہ انسانی صنوبری اور درمیانی من کی مختصر تشریح ہے ۔ جو انسان سے مخصوص ہے ۔ اور جس کا بیوہار صرف انسان ہی کیا کرتا ہے ۔ دوسری مخلوق نہیں کرتی ۔ اب تیسرے کا حال سنو ۔ اس کو علوی تیلیوفری ۔ ملکوتی اور اعلےٰ بولتے ہیں ۔ یہ دیوتاؤں کا من ہے جیسے سفلی من کا خاصہ گیان اور درمیانی من کا کرم ہے ۔ ویسے اس من کا خاصہ اُپاسنا ہے ۔ اُپاسنا کے معنی ہیں اُپ آسن یعنی پاس بیٹھنا کے ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کا کسی خیال کے ساتھ تعلق ہوا نہیں کہ وہ اسیوقت وہ بیاہوا نہیں ۔ اُپاسنا تعلق کا نام ہے ۔ اس میں عشق پریم بھگتی ۔ بھاؤ نا سب کچھ ہے ۔ اعلےٰ من میں روشن ضمیری ہے جو انجو سے قریب ہے ۔ بلکہ وہ خود ہی انجو ہے ۔ اس کا دھشتان خواہ مدار علیہ وشنو ہے جس میں ستو ہے ۔ ست پرکاش ۔ نور اور تجلی کو کہتے ہیں ۔ دنیا کے تمام مذاہب خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں اسی وشنو کی مختلف ناموں سے پرستش کرتے ہیں اس کے کام کا رتبہ درمیانی من سے بڑا ۔ مگر سفلی من سے چھوٹا ہے ۔ کیونکہ اگرچہ یہ انسان غور وفکر سے کام نہیں لیتا ۔ تاہم اس میں صرف کبھی کبھی گیان کی بجلی کے کوندے آجایا کرتے ہیں ۔ گیان کی سب سے زیادہ بزرگی ہے ۔ وہ ایک رس رہتا ہے باقی اور ایک رس نہیں رہتے لیکن علوی یا ملکوتی من کی مدد سے مکتی ہوجاتی ہے کیونکہ وہ گیان کی حد میں داخل کر دیتا ہے ۔ یہ تیسرا من ہوا ۔ اب چوتھے من کی سنو ۔ یہ نرگنی اور گیانی کہلاتا ہے ۔ نرگنی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ گن کا ابھاؤ یا معدومیت ہو ۔ بلکہ اس من میں مادی اصلیت لطیف صورت میں رہتی ہے اور نیچے کے درجوں کی طرح اس کا بیوہار وہاں نہیں رہتا ۔ یہ من اونچا ہے

اور برہم کہلاتا ہے۔ برہم اور کوئی شے نہیں ہے۔ صرف برہمانڈی من ہی ہے جو سارے برہمانڈ میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ ویدانت کا آدرش معراج اور تتو گیان کا آئیڈیل ہے۔ الغرض ہم نے یہاں تم کو چار طرح کے من دکھا دئے انسانی جسم چونکہ تمام کائنات یعنی برہمانڈ کا نمونہ ہے۔ اس لئے اس میں یہ چاروں من رہتے ہیں ان کے رہنے کے استھان حسب ذیل ہیں:-

نابھی (ناف)
ہردے (سینہ)
تیل تل (نقطہ سویدا)
ترکٹی۔ (شلنی۔ برہم رندھر۔ دماغ)

الغرض تم نے دیکھ لیا کہ جس دل کو لوگ ایک سمجھتے ہیں وہ بھی چار طرح کا بتایا گیا۔ اب انسانی زندگی کی حالت کے مدارج کو دیکھو۔ یہاں بھی اربعہ عناصر کا سامان موجود ہے۔

		جبروت	برہما
جاگرت	بیداری	ملکوت	وشنو
سوپن	خواب	ناسوت	شیو
سوشپتی	گہری نیند	ہوُت	برہم
تریا	عالم رویا		

بالکل اسی اصول کے موافق چار آشرم چار ورن چار وید۔ چار جگ وغیرہ بھی بنائے گئے تھے۔

(۱) آشرم	(۲) ورن	(۳) وید	(۴) یگ
برہمچریہ	شودر	اتھرو	کلی یگ
گرہست	ویش	یجو	دواپر
ون پرست	کشتری	رگ	تریتا
سنیت	برہمن	سام	ست جگ

الغرض کوئی کہاں تک بیان کرے۔ ہستیاں تین نہیں ہیں۔ چار ہیں کیونکہ

تین کے ماننے سے بھی چوتھے پر کا خیال چلا جاتا ہے۔

وگیان کا پانچواں نکتہ

پنج خمسہ

پانچ پنچ - پنچ مل پرمیشور
پانچ جنے مل کیجے کاج - ہارے جیتے ہوئے نہ لاج

ایک شاعر کا کلام ہے :-

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
پانچ انگلیوں میں وہ حرف ن ہے یعنی کہ مطیع پنجتن ہے

اگر اس طرح چار ہستیوں کے اثبات کی ضرورت محسوس کی جائے تو انکو پانچ کیوں نہ ثابت کیا جائے۔ یہ تو کیتی اور عقل کی خوبی ہے۔ جیسی نگاہ بنا لی گئی ویسا نظر آنے لگا۔ اور دنیا سے اُسی خیال کے تائیدی سامان ملنے لگے۔

آخر نکتہ میں کہنے والے نے چار مختلف ہستیوں کو ثابت کر دیا۔ ایشور جیو، پرکرتی اور برہم۔ اور سمجھ میں بھی ایسا ہی آتا ہے۔ لیکن جس شے کو برہم کہا گیا وہ صرف برہمانندی من ہے۔ اور ویدانت کے مہاواکیہ اہم برہمہ اسمی کا مطلب بھی یہی برہم ہے۔ جو صرف مجرد من ہے اور کچھ نہیں۔ در حقیقت یہ

وگیان کا پانچواں نکتہ

اُہمُ توم یُد انت۔ اُنا، یہ سب من ہی کی ورتیوں کی پھُرنا کی ظہور ہیں۔ جیسا واچ ویسا لکش دونوں ایک ہی طرح کے ہوئے اور پنڈی من کی برہمانڈی من کیساتھ مشابہت اور یکسانیت قائم کرنے میں کامیابی ہوئی مگر بات کیا ہوئی اس سے تو ظاہر ہے کہ یہ اصلی روح یا اصلی ذات نہیں ہے۔ تیسرے نکتہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ دل روح کے کام کرنے کا صرف اوزار محض ہے اسی طرح یہ برہمانڈی من یعنی دل کبیر بھی۔ برہمانڈی روح یا روح کبیر کا اوزار ثابت ہوا۔ اگر اسی روح کبیر یا ذات تعالےٰ کو ہم پربرہمہ کہیں تو کیا ہرج ہوتا ہے اور حقیقت میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے یہاں بہت آسانی کیساتھ پانچویں ذات کے اثبات کا پتہ بھی ملتا ہے۔ اور کیا عجب اسی وجہ سے قدرت میں ہر جا پنجگانہ ہستیوں کا مختلف صورتوں میں ظہور ہے۔ مثلاً

(۱) پنچ بھوت	(۲) انکے مالک پنچ دیو	(۳) پانچ دیو کے پانچ رنگ	(۴) پنچ بھوتوں کے رس	(۵) پنچ دیو کی کریائیں
آکاس	شِو	سفید	پھیکا	تیاگ
اگنی	رُدر	کالا	چرپرا	ساکشی
وایو	شکتی	ہرا	کھٹا	پھسے
جل	برہما	سرخ	کھارا	پالن
پرتھوی	گنیش	زرد	میٹھا	اُتپتی

اسی طرح اور بھی ہر جگہ ہر شے پانچ پانچ صورتوں میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً

(۱) پنچ کوش	(۲) پنچ اوستھا	(۳) پنچ پران	(۴) پنچ اُپ پران
ان مے	جاگرت	اپان	دھننجے
پران مے	سوپن	اُدان	دیودت
منو مے	سوشپتی	پران	کری کل
وگیان مے	تُریا	سمان	کورم
آنند مے	تُریاتیت	ویان	ناگ

(۵) پنچ سکھ۔ (۶) پنچ آنند۔ (۷) پنچ گیان اندریہ۔ (۸) پنچ کرم اندریہ۔ (۹) پنچ وشے

سنتا	وشے آنند	کان	بانی	شبد
دھن	یوگ آنند	آنکھ	ہاتھ	سپرش
موچ	برہما نند	ناک	پاؤں	روپ
بل	ادویت آنند	ذائقہ	لنگ	رس
ندھی	پرما نند	چرم	گدا	گندھ

الغرض ایک دو نہیں بلکہ اس قسم کی پنچگانہ تفصیلی مدارج ایک دو نہیں ہم سینکڑوں پیش کر سکتے ہیں۔ اور جب دیوتا، عناصر، بھوگ وغیرہ سب پانچ ہی پانچ ہیں تو اس سے ثابت ہے کہ جگت میں پانچ ہستیاں ہیں۔ اور کیا عجب اسی خیال سے گورو نانک صاحب نے فرمایا ہو۔

پنچ شبد دھنکار دھن بلجے شبد نشان

کرم بھی پانچ طرح کے ہیں۔ جیسے پنچ یگیہ وغیرہ اور اکرم بھی پانچ طرح کے ہیں جیسے کام۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ وغیرہ۔ جیو بھی پانچ طرح کے ہیں جیسے انڈج پنڈج۔ اُدبھج۔ سویدج۔ سُتھاور۔ دیو۔ کوئی کہاں تک کہے جس قدر وہ نگاہ کو پھیلا کر دیکھیگا اسکو ہر جگہ پانچ ہی پانچ نظر آویں گے۔ اس لئے سرشٹی میں ایک دو تین چار نہیں بلکہ پانچ مختلف ہستیاں ہیں۔ اور پانچوں کو ماننا چاہیئے۔

وگیان کا چھٹا نکتہ

وحدت اور کثرت

وحدت اور کثرت کا مضموں وہم ہے بے شبہ ہے
خواب ہے صرف ایک اس کی مختلف تعبیر ہیں

دیکھا۔ دنیا میں کس طرح مختلف خیال والے سوچا سمجھا کرتے ہیں۔ کسی کو ایک ہستی کا وہم ہے۔ کسی کو دو تین چار یا پانچ کا۔ اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح بڑھایا جائے تو ان کی تعداد بیشمار بڑھتی جائے گی۔ اور گھٹنے پر نہ آئے گی خیال کا بھوت سایہ کی طرح آگے آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اور جتنا لمبا چوڑا اصل جسم نہیں ہے وہ اس سے بھی کہیں دس بیس ہاتھ لمبا نظر آتا ہے۔ تم جب چاہو اس کا تجربہ کر لو۔ چراغ کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھو۔ تمہارا سایہ کتنا بڑا نظر آتا ہے چراغ کے پیچھے ہو جاؤ۔ وہ چھوٹا ہو جاویگا۔ اسی طرح اس کا بھی حال ہے جتنا بڑھاؤ۔ اتنا بڑھتا ہے جتنا گھٹاؤ اتنا ہی گھٹتا ہے اصل میں یہ سایہ ہی ہے اس سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں ہے۔ تم جیسے ہو ویسے ہو۔ تم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق صرف سایہ کی لمبائی چوڑائی میں ہے۔ کہیں یہ سایہ چھوٹا اور بدصورت ہے کہیں یہ لمبا اور سڈول ہے۔ اس سایہ کو دل کی ذرا خیالی حرکت مل جائے پھر کیا ہے۔ یہ نئے نئے روپ اور نئے نئے سانگ بھرنے لگیگا۔ تم اپنے ہاتھ میں کوئی ابھرا ہوا شیشہ لے لو۔ اور دل کو متحرک کر کے اس میں اپنا روپ دیکھنا شروع کر دو۔ واہ واہ! تمہاری صورت کے کیسے کیسے بھونڈے عکس نظر آتے ہیں کبھی چہرہ بالکل گول شترمرغ کے انڈے کی طرح نظر آتا ہے۔ کبھی وہ اس قدر لمبا ہو جاتا ہے کہ ہونٹ کے نیچے کی ٹھوڑی کی طول کو ڈیڑھ فٹے سے ناپنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کبھی لمبے لمبے دانت نظر آتے ہیں کبھی اتنے چھوٹے کہ حیرت کا مضمون بن جاتے ہیں۔ شیشہ کو حرکت دینے چلو یہ حرکت بھی تمہارے دل ہی سے آتی ہے اور نئے نئے تماشے اپنے روپ کے آپ دیکھو دل سچ مچ بڑا شعبدہ باز و بازیگر ہے۔ کبھی پتھر سے بھی زیادہ سخت اور کبھی روئی

کے گالے سے بھی زیادہ ملایم۔ تم جیسے ہو ویسے ہو۔ مگر دل کی قلابازیاں تم کو متعدد اور مختلف ناچ نچایا کرتی ہیں۔ کبھی تم حوصلے والے بن جاتے ہو۔ کبھی بزدل۔ نکمے اور ڈرپوک نظر آتے ہو۔ کبھی ہفت اقلیم کی دولت کی پروا نہیں۔ کبھی کنجوس۔ مکھی چوس اور میٹھیا چوس ہو جاتے ہو۔ الغرض جیسا سوچا ویسا ہی بن جاؤ۔ خیال کرنے کی دیر ہے۔ اور سامان بنا بنایا تیار رہتا ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اگر درویش بر حالے بماندے   سر دست از دو عالم بر فشاندے

سبحان اللہ! کیا اچھا کلام ہے۔ اس میں سچائی کیسی کوٹ کوٹ بھری ہے اگر کوئی کسی سے کہے کہ "نہ ایک ہے نہ انیک ہے" تو وہ جھگڑنے پر تیار ہو جائیگا اور اپنے دعوے کے دلیل اور سند ہزاروں جگہ سے لا کر اس کو ثابت کر دکھلانے کی کوشش کریگا۔ یہ نادان ہیں اور وہمی و فرضی توحید کے غلام ہیں۔ اس سے جھگڑینگے اور طرح طرح کی سوجھ سمجھاوینگے جیسے یہ۔ ویسے ہی وہ جیسے موحد۔ ویسے مشرک جیسے دویت وادی۔ ویسے ادویت وادی" جیسے اودھو ویسے بھان۔ نہ ان کے ناک نہ ان کے کان"۔ توحید اور شرک دونوں وہم خیال اور بیہودہ وسوسات ہیں۔ نہ وہ ایک ہے نہ انیک ہے۔ جو ہے وہ ہے اس سے زیادہ کیا کہیں۔ کیونکہ جب ایک کا لفظ زبان سے برآمد ہوگا۔ اسی وقت انیک کا خیال خودبخود دل میں پیدا ہوگا۔ کیونکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جب تک انیک نہ ہوں تب تک ایک کا خیال نہیں ہو سکتا اور جب تک ایک کا خیال نہ ہو۔ تب تک انیک کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ گو کہنے کے کیلئے ایک بہت اچھا ہے لوگ کہتے ہیں ایک سے آگے کوئی جائیگا کہاں! مگر وہ اس بات کو بھولے ہیں کہ ایک ہی کے پیٹ میں انیک رہتا ہے۔ توحید کے ابتدائی مرحلہ میں اس کو "توحید"

کہو اور وہ توحید ہے بھی ۔ مگر توحید کی جو اصلی غرض ہے وہ اُس سے مفقود ہے توحید کے لفظ کے گڑھنے کی ضرورت صرف اس وجہ سے محسوس ہوئی کہ اُس سے بہتر اور کوئی لفظ ذہن میں نہیں آسکا۔ ورنہ اُس کا اصلی مطلب کچھ اور ہی ہے اور وہ وہی ہے۔ جس کی طرف مذہب فقراِ یا سنت ۔مت اشارہ کی انگلی اُٹھاتا ہے وہ نہ اثبات ہے نہ نفی ہے۔ دونوں ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ ہاں اس کا پلہ تعلیمی اغراض کی تکمیل کی نظر سے اثبات کی طرف ضرور جھکا رہتا ہے۔

صوفیوں میں توحید کی مختلف قسمیں بیان کی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں:-

اوّل ۔ توحید شریعت ۔ خدا کے ذات پر یقین لانا ۔ خواہ وہ تنقید آ ہو یا عقلاً و نقلاً

دوم ۔ توحید طریقت اس کی تین قسمیں ہیں ۔ اول توحید ذاتی یعنی ذات حق کا اقرار۔ دوم توحید صفاتی ۔ یعنی جملہ صفات کو ذات حق سے منسوب کرنا۔ سوم توحید افعالی یعنی سارے افعال کو منجانب خدا سمجھنا۔

سوم ۔ توحید حقیقت یعنی غیریت کی نفی یہانتک کر دیجائے کہ اپنا آپا بھی جاتا رہے ۔ اور ہستئ حق کے سواء اور کچھ باقی نہ سمجھا جائے ۔ بلکہ سمجھ بوجھ تک کا جھگڑا نہ رہے۔

ویدانیتوں کی توحید چار طرح کی ہے اور چاروں کا تعلق چار ویدوں کے مہاواکیوں سے ہے ۔ ان میں پرتیکش اور اپروکش دونوں ہیں ۔ اول "ایم آتما برہم" (اتھروَن وید کے مانڈوک اُپنشد کا واکیہ) دوم "پرگیانم آنندم برہم" (رگوید کے ایتریہ اُپنشد کا واکیہ) ان میں سے تیسرا "تت توم اسی" ہے (سام وید کے چھاندوگیہ اُپنشد کا واکیہ) چوتھا "اہم برہم آسمی" (یجروید کے برہدآرنیک اُپنشد کا واکیہ ہے گو کہنے کے لئے ان کو نفی سمجھا جائے مگر ان میں سے کوئی بھی نفی کی مُراد کو پوری نہیں کرتا ۔ بلکہ اثبات کی تلقین کرتے ہیں ۔ جہاں

وہاں نفی کیسی۔ ویدوں میں "نیتی نیتی" کہتے ہوئے عمل تقطیع خواہ عمل تحلیل کے موافق۔ وچار کا رخ آگے کی طرف کیا جاتا ہے۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ "یہ نہیں ہے یہ نہیں ہے"۔ مگر اس کے تہہ میں اثبات مخفی ہے۔ کیونکہ اگر "یہ نہیں ہے" تو کچھ تو ضرور ہوگا۔ اس لئے ویدوں کا نفی بھی اصل میں نفی نہیں ہے اس میں اثبات ہے۔

اگر اثبات کو لے لیں تو وہاں بھی نفی کا مضمون نظر آتا ہے مثلاً آج تک کوئی یہ نہ کہہ سکا کہ "وہ ذات یہ شے ہے" لوگ کہتے ہیں کہ ساری صورتیں اسی کی ہیں مگر جب سوال کیا جاتا ہے کہ کیا شوہ، کتا، بلی، چوہا، طوطا۔ اسی کی صورتیں ہیں تو خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ کوئی شخص کہتا ہے۔ یہ برہمانڈ اس کی صورت ہے۔ مگر دنیا میں ایسا ایک آدمی بھی نہیں ہے۔ جس کو برہمانڈ ہی کا پورا پورا علم ہے اور وہ دعوے کے ساتھ ثابت کر سکے کہ "وہ یہ ہے" اس لئے اثبات اور نفی بھی جھگڑے ہی جھگڑے ہیں۔ اور لفظوں کے جھگڑے ہیں۔ کوئی کہے بھی تو کیا کہے۔ اور کسی کو سنا دے بھی تو کیا سنا دے۔ بات نہ بتانے کی ہے نہ جتانے کی نہ سنانے کی۔ جس کی سمجھ میں جو آگیا آگیا۔ اگر نہیں آیا تو نہیں آیا۔

توحید و شرک۔ نفی و اثبات۔ اقرار و انکار۔ حق و ناحق سب اثنین کے تماشے ہیں ان میں سے جو شخص ایک اصطلاح بھی پیش کرتا ہے وہ براہ دیگر دوسرے کی ہستی کا خود ثبوت دے رہا ہے اور توحید کے اقرار کے ساتھ مشرک بنتا جاتا ہے۔ اس لئے سچے معنی میں جو خود موحد بنتا ہے اور بننے کا دعویدار ہے وہ موحد نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اصلی توحید میں بناؤ بگاڑ نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے ہم نہیں کہہ سکتے۔

ان سب باتوں پر غور کرنے سے ہم کو مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچ کر خاموش ہونا

پڑنا ہے جس کا اشارہ کبیر صاحب کے اس دوہے میں موجود ہے۔ وہ یہ ہے۔

ایک کہوں تو ہے نہیں۔ دو جا کہوں تو گار
جیسا ہے تیسا رہے۔ کہیں کبیر پکار

ایسی حالت میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ اور کہنے کی کسی کو طاقت کیا ہے! اور کیسے ہو سکتی ہے۔ مگر دنیا میں آج تک کوئی خاموش بھی نہیں رہا۔ شروع سے لے کر آج تک سب برابر ہاں۔ نہیں۔ کہتے ہی چلے آ رہے ہیں اور شاید جب تک سرشٹی ہے تب تک کسی کی زبان بند بھی نہیں ہو گی۔ مگر حالت یہ ہے جو اوپر بیان کر دی گئی

ہست ہے نیست بھی ہے نیست نہیں ہست نہیں
سمجھے یہ نکتے مئے عقل ہے جو مست نہیں

اس نظر سے اقرار کرنے والے اور انکار کرنے والے اپنی اپنی جگہ پر دونوں سچے ہیں اور اپنی اپنی حیثیت سے دونوں جھوٹے ہیں۔ نہ ہم اس کو سچ کہہ سکتے ہیں نہ جھوٹ گونگوں کا گڑ ہے۔ جو اس کو دو تین چار پانچ۔ اور یہ سنکھ کی گنتی تک بتلاتے ہیں وہ بھی جو ایک کہتے ہیں وہ بھی صحیح۔ اور جو اس کو ایک اور ایک سے علیحدہ بتاتے ہیں وہ بھی صحیح۔ اور ساتھ ہی وہ غلط بھی ہیں۔ جس کی جیسی عقل اس کی ویسی تمیز انسان محدود عقل والا ہے۔ اس کی نگاہ جب پڑیگی محدود ہی پر پڑیگی۔ اور اس حد تک وہ جو کچھ اپنے نقطۂ نگاہ کے موافق کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ اس سے لڑنا جھگڑنا۔ ہاتھا پائی کرنا کیا! ہم اپنے خیالات کا اظہار جب کرینگے لفظوں ہی سے کرینگے اور تم جانتے ہو لفظ محدود اور ناقص ہیں۔ جب تک مکمل شے کا پیمانہ بھی مکمل نہ ہو تب تک اس کی ماپ اور تول کیسے کی جائے! اور پھر ایک بات اور بھی ہے اس کا پیمانہ ہو کیسے سکتا ہے۔ کیونکہ پھر وہاں دو ہو جائینگے ایک وہ ایک یہ اور دو نہیں

ناقص اور غیر مکمل ہونگی۔ حیرت کے سوا اور کیا کہا جائے۔

کبیر صاحب کا وہ دوہا جو اوپر آیا ہے لاکھ روپے کا ہے۔ اور بڑی وضاحت اور خوبصورتی کے ساتھ اصلیت کے سمجھانے میں مددگار ہوتا ہے۔ سوال کیا جائیگا کہ کیا کبیر صاحب موحد نہیں تھے؟ کیا وہ ادویت وادی نہیں تھے؟ ہم کہینگے کہ وہ تھے بھی اور نہیں بھی تھے۔ کیونکہ اُن کے کلام سے ظاہر ہے کہ وہ ادویت کی چوٹی پر تھے۔

ہم نے ویدانت کی توحید۔ تصوف کی توحید۔ موحدوں کی توحید ودویت وادیوں کے اثنین اور دویت بھاؤ۔ تثلیث پرستوں کے تثلیثی ارکان وغیرہ وغیرہ دیکھ لئے۔ اُن کی حیثیت بھی سمجھ لی۔ سوال کرو کہ پھر آخر اس دلت کتھا کا نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ نکلنا کیا تھا؟ جو ہے وہ ہے اس سے زیادہ اور کیا کہا جاسکے۔ ہاں سمجھانے بجھانے کے لئے سب سے اچھا ادویت بھاؤ ہے۔ سب لوگ پھر پھرا کر گھوم گھما کر ایک کی طرف آتے ہیں۔ اور اس ایک میں اپنے کو بھی شامل رکھ کر ایک کی صدا بلند کرتے ہیں۔ جیسے زبان کہے کہ جسم ایک ہے۔ کہنے والی زبان جسم سے اپنے آپ کو علیحدہ کرکے نہیں کہتی۔ اسی طرح سچے موحد بھی اپنے کو اس میں شامل کرکے کہتے ہیں کہ وہ "ایک ہے" "ہمہ اوست" و "ہمہ ازوست" مگر یہ کہنا ہی کہنا ہے۔ گو وہ اس نقطہ نگاہ سے صحیح ہو جس خیال سے وہ کہا جاتا ہے مگر یہاں پھر شرک اور تثلیث دونوں کھڑے ہو گئے۔ اسی وجہ سے تو ہم کہتے ہیں کہ جہانتک حال و قال کا تعلق ہے توحید کا علم و نشان ایک سا ہے توحید خود ایک ایسی چیز ہے جو دل کا مفہوم تو کسی قدر ہو سکتی ہے۔ مگر زبان سے بیان کرنے میں اکثر قصور ہو جایا کرتا ہے۔ ذیل میں ہم چند باکمال صوفی بزرگوں کے اقوال درج کرتے ہیں جن سے کسی قدر سمجھ میں آ جائیگا کہ وہ توحید کو کیا سمجھتے تھے۔

حضرت ابوبکر شبلی: "جو کوئی عبادت میں توحید کی خبر دے وہ ملحد ہے (اور مشرک)، جو کوئی اس کی طرف اشارہ کرکے وہ ثنوی (دوئیت وادی) ہے جو اینکار کرے وہ بت پرست ہے۔ جو اس کی بات چیت کرے وہ غافل۔ اور جو اس سے چپ رہے وہ جاہل۔ اور جس کو گمان ہو کہ وہ اس تک پہنچا اور کچھ حاصل کیا وہ بے حاصل ہے اور جو نزدیکی کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ دور ہوتا ہے اور جو آپ سے پاتا ہے وہ گم گشتہ ہے اور جو کچھ وہم سے ٹٹولتے یا عقل سے بولتے ہو سب کھوٹ ہے جیسے تم خود آپ ہو۔ توحید کا خیال موحد کے لئے جمال احدیت کا حجاب ہے۔ توحید اس لئے ٹھیک نہیں تی کہ تم اس کو آپ سے طلب کرتے ہیں"

سبحان اللہ کیا اچھی بات کہی ہے۔

اور ایک صوفی کہتا ہے "اثبات التوحید فساد فی التوحید" یعنی توحید کا ثابت کرنا توحید میں فساد اور خرابی ڈالنا ہے۔

صاحب کمال جنید کا کلام ہے "علم توحید اس کے وجود سے جدا ہے اور اس کا وجود علم سے الگ۔ توحید کیا ہے خدا کا جاننا۔ اور اس کے قدم کو حدوث سے پہچاننا۔ اور توحید کی غایت توحید کا انکار ہے۔"

اس قدر شہادت ہمارے اپنے خیال کی تائید کے لئے کافی ہے۔

ممکن ہے آپ سوال کریں کہ اس بحث مطول کا مطلب کیا ہے۔ یہ شیطان کی آنت کی طرح لمبی چوڑی تو بہت ہے۔ مگر اس سے کیا نتیجہ نکلا ہے؟ سنئے اس کی غرض یہ [illegible] نے والے سمجھیں کہ توحید کا ڈینگ مارنا بھی اچھی چیز نہیں۔ جو شخص [illegible] تا ہے ویسا کہتا اور کرتا ہے سے

اگر اچھے ہیں تو دونوں - اگر بُرے ہیں تو دونوں - اور اگر بھلے بُرے نہیں ہیں تو دونوں ہی نہیں ہیں - ہاں اگر کوئی شخص مُشرک ہے تو وہ جو چاہے کہتا پھرے اُس کو اختیار ہے کیونکہ وہ ددیت وادی جو ٹھہرا - یہی حیثیت تثلیث پرست کی بھی ہے - مگر جو لوگ توحید کی منزل میں ہیں ان کا کہنا لغو حرکت ہے

سوال - منصور نے انا لحق کی صدا بلند کی اور ویدانتی جو "اہم برہم اسمی" کہتے پھرتے ہیں - ان کی نسبت آپ کیا کہو گے ؟

بھیو - منصور اپنے آپے میں نہیں تھے - مجذوبیت کی حالت میں سب کچھ روا اور بجا ہے - دیوانہ کا منہ کس نے روکا ہے - وہ خود فرماتے ہیں - "انا الحق - کفرت بدین اللہ والکفر واجبٌ لدیّ وعند المسلمین قبیحٌ" - یعنی میں حق ہوں - میں نے دین خدا سے کفر کیا یہ کفر میرے نزدیک تو واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک بُرا - اور جو سنیاسیوں کی نسبت سوال کیا گیا اُس کا بھی جواب یہی ہے کہ اگر وہ مجذوب اور دیوانے ہیں - تو خیر اُن سے چھیڑ چھاڑ کیسی ؟ اور اگر دُنیا کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے اور دوئی کا بیوہار کرتے ہوئے "برہمہ" بنتے ہیں تو وہ گیانی تو نہ ہیں نہ ہو سکتے ہیں اور نہ ہونگے - ہاں واچک گیانی ضرور ہیں - اور اُن کا فعل خود اُن کے قول کا بطلان کرتا رہتا ہے - ایسے لوگوں کی تردید کیا کی جائے - اور اس سے فائدہ ہی کیا ہے - یہ موحد تو کسی حالت میں نہیں ہیں - کیونکہ بلا ضرورت ایک ایسی حالت کے اظہار کا زبان سے اقرار کیا کرتے ہیں جو اُن کی جُزو زندگی نہیں اور اس لئے کھو ریویت وادی اور زبردست مُشرک ہیں [illegible] ہی اور ویدانتی نہیں ہیں - بلکہ سنیاس اور ویدانت کے لئے باعث [illegible] ہیں - توحید کیا ہے ؟

وگیان کا ساتواں نکتہ

سوال ۱۲۔ جب تو ویدانتیوں کی تردید فضول ہے۔ وہ بھی تو یہی بات کہتے ہیں۔

شیو۔ تردید کون کرتا ہے۔ ہاں اگر اُن کی اپنی حالت ایسی ہے۔ تو دُرست ہے۔ اور اگر وہ محض سُنی سنائی باتیں کہتے ہیں تو جھک مارتے ہیں واچک گیانی ہیں۔ واچک گیان کی تردید ہے اور بس۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اگر تمہاری بھی یہ حالت ہے تو پھر کون تمہاری زبان بند کر سکتا ہے مگر پھر بھی ہم کہیں گے کہ اس کے اظہار کی ضرورت کم ظرفی کی علامت ہے

سوال ۱۳۔ پھر آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟

شیو۔ اس لئے کہ تم کہلواتے ہو۔ تم نہ ہوتے تو ہم کبھی نہ کہتے۔ آئینہ سامنے آگیا اس میں عکس کا آنا لازمی ہے۔ تم سوال بند کرو۔ جواب کا سلسلہ بند رہیگا

سوال ۱۴۔ پھر کیا کرنا چاہیئے؟ ہم کو کیا کرنا فرض ہے؟

شیو اسم را خواندی مسمی را بجو
مہ بہ بالا داں نہ اندر آب جو

اگر اس سے بھی کچھ زیادہ سننا چاہتے ہو تو ست پرش رادھا سوامی دیال جی مہاراج کا یہ کلام اچھی طرح ذہن نشین کرو

*

...پ کو آپ چھپا لو
کہا اور کا نیک نہ مانو

*

وگیان کا ساتواں نکتہ

حکمتے گفتہ ہمی شندم لبیاخ گو
از شما مخفی نہ شد اسرار جو

بات اس سے کہی جائے جو سمجھ رکھتا ہے۔ اور اگر یوں ہی علی الطور انا پ شناپ کہی جاتی ہے تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ "بھینس کے آگے بین باجے بھینس بیٹھی پگرائے" "اندھے کے آگے روئے اپنا دیدہ کھووے" جس کو دیکھیئے وہ پرمان (ثبوت) سند اور دلیل مانگتا ہے۔ ہم نے کتابوں کو آگ لگا دی۔ اپنا چھوٹا موٹا کتب خانہ اوروں کو تقسیم کر دیا۔ کیونکہ جب دل کی کتاب مطالعہ کے لئے مل گئی تو اب اور کس کو پڑھیں۔ مگر دنیا ہے وہ نہیں مانتی۔ کہتی ہے "پرمان لاؤ" بہت اچھا۔ تو پرمان بھی دیں گے۔ اگر ہم پر ہماری بات پر اور ہماری ذات پر تم کو یقین و اعتبار نہیں ہے تو نہ سہی ہم قدرت میں زندہ کتاب اور مجسم کتاب ہیں۔ ہم کو نہیں پڑھتے تو نہ پڑھو پڑھ لے ہی نوشتہ جات سے اپنی تسلی کر دیکھو کر دیکھی تو سہی ورنہ نہ سہی یہی سہی۔ اسی وجہ سے ہم کبیر صاحب کا بیجک لے بیٹھے ہیں۔ اس سے بہتر اور کوئی کتاب آج تک ہم کو نہیں ملی۔ فارسی پڑھی۔ عربی کا شوق کیا۔ عبرانی کے دفتر کھنگالے۔ انگریزی دیکھی۔ حافظ [illegible]م شنکراچاریہ۔ بدھ بھگوان۔ زرتشت نبی۔ سب کی کتابیں پڑھیں۔ سب کا ترجمہ اردو میں کیا۔ ژنداوستا کا ہمارا مختصر ترجمہ لوگوں کے استعجاب کا باعث ہوا۔ کلیان

دھرم (بدھ کی سوانح عمری و تعلیم) کو اردو کا جامہ پہنایا۔ اُپنشدوں پر ٹیکا لکھی۔ ویدانت پر خوب خوب خامہ فرسائی کی۔ مشکل و ادق مضامین کو بچوں کی سہل زبان میں لکھ دیا۔ تعصب اور تنگدلی سے کام نہیں لیا ہمیشہ انصاف کو مدنظر رکھا۔ جو جیسا تھا اس کو اسی شکل میں دکھا دیا۔

مگر بیجک سے بہتر کوئی کتاب ہم کو نہیں ملی۔ اور اگر ہمارا خیال صحیح ہے تو ہم نے کبیر صاحب سے بہتر کسی کا کلام نہیں پایا۔ ممکن ہے یہ مبالغہ ہو ممکن ہے یہ غلط ہو۔ خیال ہی تو ہے۔ مگر یہ یاد رہے ہم کبیر پنتھی نہیں ہیں جو طرفداری اور حمایت کرتے ہم کو کوئی کوئی شخص کبیر صاحب کے خزانہ کا وارث قرار دیتا ہے اور بات بھی کچھ صحیح معلوم ہوتی ہے ابتک کسی کو بیجک پر اچھی ٹیکا لکھنے کا موقعہ ہاتھ نہیں آیا۔ شاید یہ ہمارے لئے پانچ سو برس سے محفوظ تھا۔ ہم کو یہ دفینہ ہاتھ لگا۔ اور ہم فیاضی اور سیر چشمی کے ساتھ سب کو خوشی خوشی تقسیم کر رہے ہیں "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے"۔ جو مستحق ہوں آئیں اور یہ دولت ہم سے لیجائیں بیجک کے ۱۰ حصے ہیں۔ دو حصے تو اس مہینہ کے بعد سنت سندیش کے پڑھنے والوں کو دیئے جائیں گے۔ باقی ۸ حصے پھر یا تو ایک جلد میں یا باقساط ان کی نذر ہوں گے۔ بیجک ہمارا پرمان ہے اور ہم اس کے ایک شبد کو یہاں درج کرتے ہیں تاکہ پرمان مانگنے والے بھی محروم نہ رہ جائیں۔ خوف ہے کوئی پنچائی اس شبد کو پڑھ کر ناک اور بھوں سکوڑیں۔ مگر ہم کیا [illegible]۔ پرم سنت کبیر صاحب وگیانی تھے۔ ان کا درجہ گیانیوں سے کہیں اونچا تھا۔ گو ہم بقول گورو نانک صاحب کبیر کو جامہ پاک سمجھتے ہیں۔ اور نہ مظہر راز حقانی کہتے ہیں۔ بلکہ ان کو حقیقت در ذات لوہیت

کی الوہیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ کیا فرماتے ہیں۔ تم سُنو اور اس پر خود غور کرو۔ شبد یہ ہے:۔

جھگڑا ایک بڑا اچیۃ جانی جو نروارے سو نروا نی (۱)
برہمہ بڑا کہ جہاں تے آیا وید بڑا کہ جن اُپجایا (۲)
یہ من بڑا کہ جیہی من مانا رام بڑا کہ رام ہی جانا (۳)
بھرم بھرم کبیرا پھرے اُداس تیرتھ بڑا کہ تیرتھ کا داس (۴)

ترجمہ (۱) میرے جی میں ایک بہت بڑا جھگڑا ہے۔ جو اس جھگڑے کو نبٹا دے وہ نروانی ہو گا۔

(۲) برہمہ بڑا ہے یا جہاں سے یہ برہما پیدا ہُوا؟ وید بڑا ہے کہ جس نے وید کو بنایا ہے؟

(۳) یہ من بڑا ہے کہ جس نے من کو مان لیا ہے؟ رام بڑا ہے کہ جس نے رام کو جان لیا ہے؟

(۴) بھرم بھرم کر کبیر اُداس پھرتے ہیں۔ تیرتھ بڑا ہے کہ تیرتھ کا داس بڑا ہے؟

تشریح۔ جھگڑا ہی جھگڑا ہے۔ کوئی اس کو نہیں سمجھتا۔ ہاں جو اس کو سمجھ لے وہ نروانی۔ وگیانی اور ست پرش ہو گا۔ برہمہ بڑا ہے کہ جس خیال نے برہمہ کو عالم شہود میں ظاہر ہونے کا موقعہ دیا۔ ہم نے برہمہ کے خیال کو پیدا کیا۔ ہمارے کہنے سے لوگوں کو برہمہ کا یقین ہُوا۔ اس لئے بڑائی کس کی ہوئی؟ ہماری یا برہمہ کی؟ اگر ہم اپنے لفظوں سے اپنے اشاروں سے اپنی کتابوں سے اور اپنی باتوں سے برہمہ کو نہ بتلاتے تو اس کا عدم اور وجود ایک سا ہوتا اسی طرح وید کے رچنے والے ہم آپ ہیں۔ ہم نہ ہوتے تو وید کیسے رچا جاتا

تصنیف بڑی ہے یا مصنف بڑا ہے؟ تصنیف تو مصنف کے دماغ کا بچہ ہے سمجھو کیا بات کہی جا رہی ہے۔ جو کچھ مذہب۔ ملت۔ سمپرداطریق جاری ہوئے ہیں سب انسان کے دل سے نکلے ہیں۔ اُن کی ہستی انسان کے ماتحت ہے بالکل اسی طرح ہمارا من رام کا انجو کرتا ہے۔ رام کا دھیان لگاتا ہے۔ رام کو اپنے من کے حجرہ میں بند کرنے کا شائق ہے۔ اور وہ اس کو اپنے اندر مقید کر لیتا ہے۔ جب رام من میں سما سکتا ہے تو پھر من بڑا ہوا کہ رام بڑے ہوئے؟ اگر رام بڑے ہوتے تو من میں سماتے کیسے؟ منطقانہ نتیجہ صاف ثابت کر رہا ہے کہ جو کچھ بڑائی ہے وہ ہمارے من کی ہے۔ من لامحدود ہے۔ اگر کسی نے آجتک من کی تھاہ لی ہے تو اس کو دکھا دو۔ ذرہ ہم بھی اس کو دیکھ لیں۔ کیا ایسا آدمی کہیں دنیا میں نظر آتا ہے؟ اگر تم نے اس کو دیکھ لیا۔ خواہ ہم دیکھ لینگے تو وہ بھی من سے چھوٹا ہی ثابت ہوگا۔ الغرض سمجھنے کی بات ہے! اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ من ہی بڑا ہے۔

یہ گھٹ دُھند اندھیارا سادھو
یہ گھٹ (دل) دُھند اندھیارا (۱)
یا گھٹ بھیتر باگ بگیچے۔ یا ہی میں سرجن ہارا (۲)
یا گھٹ بھیتر (اندر) چاند اور (نیز) سورج (آفتاب)۔ یا ہی میں نو لکھ تارا (بیشمار ستارے) (۳)
یا گھٹ بھیتر کاشی دوارکا۔ یا ہی میں ٹھاکر دوارا (۴)
کہیں کبیر سنو بھائی سادھو! یا ہی میں گورو ہمارا (۵)

سبحان اللہ کیا کلام ہے۔ اس سے زیادہ واضح طور پر کس نے کلام فرمایا ہے کہ یہ من محیط کل۔ سرو ویاپک۔ لامحدود۔ اور بھید و پایاں نہیں ہے۔ کون اس من کی ماپ کر سکتا ہے؟

ہاتھی آ دیں گھوڑے جائیں — اونٹ بچارے غوطے کھائیں

یہ بے پایاں کنار سمندر ہے جس کا وار پار کسی کو بھی نہیں ملا۔ اور سب پیر پیغمبر ولی بھی۔ رشی بھی۔ جوگی جتی۔ اس کی لہروں میں تر بتر ہو گئے۔ اور کسی کو بھی اس کا کنارہ نظر نہیں آیا۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار — کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

کبیر صاحب فرماتے ہیں کہ میں تو بھرم میں پھر پھر کر داس ہوا۔ بھلا دیکھو تو سہی تیرتھ بڑا ہے کہ تیرتھ کا داس بڑا ہے۔ تیرتھ کا بنانے والا۔ لگاؤ رکھنے والا اور عزت دینے والا داس ہی تو ہے وہ نہ ہو تو کون تیرتھ کو جانے۔ کون وہاں جائے کون اس کی مریادا کو قایم کرے!

ان باتوں پہ غور کرنے سے کیا نتیجہ اخذ ہوتا ہے؟ وہی کہ یہ سب ہمارے آدھار پہ ہیں۔ اس لئے ہم ان سے بزرگ۔ قابل تعظیم اور قابل وقعت ہیں۔

یہ ایک پرمان ہے اور پرمان بھی کیسا زبردست۔ مدلل اور وقیع ہے مگر کون ہے جو ان باتوں کی طرف توجہ کرتا ہے! سب کچھ انسان میں ہے سب کچھ انسان کے دل میں ہے اور وہ تلاش حقیقت میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ تعجب ہے یا نہیں؟ اور تعجب بھی کیسا کہ جس کا حد و حساب نہیں۔

پانی بیچ مین پیاسی۔ موہے دیکھت آوے ہانسی
گھر کی مایا من ہی نہ آوے۔ بن بن پھرے اداسی
برہم گیان بن پایا نر بھولا۔ کا متھرا کا کاسی
ہے پاجر کو دور بتاوے۔ دور کی پرکش نراسی
جل بیچ کنول کنول بیچ کلیاں۔ جہاں پرش ابناسی
کہیں کبیر سنو بھائی سادھو انتر بیچ کال میو اسی

یہ پرمان ہے

غافلو! غفلت چھوڑو۔ موجودہ وقت کو غنیمت سمجھو۔ اپنے آپ کو پہچانو۔ جس کی تم کو تلاش ہے وہ دور نہیں ہے۔

پانی بیچ بتاسا سنتو۔ تن کا یہی تماشا ہے (۱)
اکیلے آیا اکیلے جائیگا کیوں پیچھا پچھتاتا ہے (۲)
مٹھی باندھے آیا بندے مٹھی باندھے جاتا ہے (۳)
کس کی ناری کون پرش ہے کہاں کا ناتا لاتا ہے (۴)
جب ایک پل خبر نہیں تن کی مگر یہی کر سمجھاتا ہے (۵)
یک دن جینا دو دن جینا۔ جینا برس پچاسا ہے (۶)
انت کال برس سو جیتا پھر مرنے کی آسا ہے (۷)
جیوں جیوں پاؤں دھرو دھرنی میں تیوں تیوں کال نراتا لے (۸)
کہیں کبیر سنو بھائی سادھو! غافل غوطہ کھاتا ہے (۹)

اپنے اندر ذرا گھس کر دیکھو۔ تب پتہ لگے۔ باہر کیا ڈھونڈھتے ہو۔ جب ملے گا اندر ہی سے ملے گا۔

تیری پانی بیچ پیاس نہ گئی (۱)
باہر آکر نا سکھ پایا۔ اندر لہر نہ لئی (۲)
لیتے سکھ ساگر کو پاکر۔ آس نہ پورن بھئی (۳)
ایسے جن مورکھ مین اناری کن تو ہی درمتی دئی (۴)
کہیں کبیر سنو بھائی سادھو! ہو رہی آنند مئی (۵)

علمِ ذات

آپ آپ کو آپ پہچانو　　کہا اور کا نیک نہ مانو

سب سے بہتر۔ سب سے مبارک تر۔ سب سے خوشتر اور سب سے مفید تر علمِ ذات ہے۔ اپنے آپ کو آپ پہچانو۔ اور تم علم کی چوٹی پر پہنچ جاؤ گے۔ جو شخص سب کچھ جانتا ہے مگر اپنی ذات کا علم نہیں رکھتا۔ اس کو بڑا اگیانی سمجھو۔ وہ جہل مرکب کا مخلوق ہے۔ جب اس کو اپنی خبر نہیں تو پھر وہ اور کس کی خبر دے گا۔ اپنے ذات کا علم بہترین علم ہے۔ اور سارے علوم و فنون اس کے محتاج اور ماتحت ہیں۔ یہی سب کچھ ہے اور اسی کے پیٹ میں سب کچھ ہے۔ یہ آگیا تو سب کچھ آگیا۔ یہ نہیں آیا تو کچھ بھی نہیں آیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں۔ سب اپنے ہی لئے کرتے ہیں۔ کھانا۔ پینا۔ پڑھنا۔ لکھنا۔ ملنا جلنا۔ سب اپنے ہی لئے ہوتا ہے۔ اس میں کسی اور اور کا شمول مطلق نہیں ہے۔ ہم بیاہ کرتے ہیں اپنے لئے۔ ہم سیر و سفر کرتے ہیں اپنے لئے۔ ہم تفریح و دل لگی کرتے ہیں اپنے لئے۔ ہم خیرات عبادت کرتے ہیں اپنے لئے۔ ہم دوسروں کا بھلا کرتے ہیں اپنے لئے۔ کہنے کے لئے جو چاہے وہ کہہ لو۔ مگر سب کچھ اپنے ہی لئے ہے۔ ایشور ہمارے لئے ہے ہم ایشور کے لئے نہیں ہیں۔ وید ہمارے لئے ہے ہم وید کے لئے نہیں ہیں۔ دنیا ہمارے لئے ہے ہم دنیا کے لئے نہیں ہیں۔ لڑکے بالے۔ عزت و حرمت۔ مان بڑائی۔ اختیار و حکومت سب ہمارے

لئے ہے۔ ہم ان میں سے کسی کے لئے نہیں ہیں۔ آنکھ، ناک، کان ہمارے لئے ہیں۔ ہم آنکھ، ناک، کان کے لئے نہیں ہیں۔ مذہب، ملت، بھگتی بھاؤ، گیان دھیان، یوگ اُپاسنا سب ہمارے لئے ہیں۔ ہم ان کے لئے نہیں ہیں۔ نادان ہیں وہ لوگ جو اپنے کو اوروں کے لئے سمجھتے ہیں وہ کوتاہ بین، کوتاہ اندیش اور کوتاہ خیال ہیں جو اس راز کو سمجھتے ہیں۔ وہ عقیل اور دانشمند انسان ہیں۔ جو اس کو نہیں سمجھتے وہ سخت نادان ہیں۔
آپ جئے تو جگ جیا۔ آپ مرے تو جگ مرا۔ ایک شخص کنوئیں میں گر گیا۔ اس نے شور مچایا۔ مجھ کو نکالو نہیں تو جگ ڈوبا۔ لوگوں نے اس کو کنوئیں سے باہر کیا۔ پوچھا جگ کیسے ڈوبا۔ وہ بولا میں نہ ہوتا تو جگ کیسے ہوتا "لولاک لما خلقت الافلاک" "اے محمد! اگر تو نہ ہوتا تو زمین و آسمان کچھ نہ ہوتا" لوگ ہنسنے مسکرانے، ہنسی اور مخول کرنے لگے۔ مگر آدمی سچا تھا۔ اس کی دنیا اس کے ساتھ تھی۔ اگر وہ ڈوب جاتا تو سچ مچ جگت ڈوب گیا ہوتا۔ تم کیا ہو؟ ایک مرکز ہو جس کے ارد گرد ہزاروں دائرے کھنچے ہوئے ہیں۔ تم ایک نقطہ ہو جس سے بیشمار خطوط کھینچے ہوئے ہیں۔ یہ چاند سورج اور ستارے سب تمہارے غلام اور پرستار ہیں۔ بجلی چمکتی ہے۔ پانی برستا ہے۔ غلہ پیدا ہوتا ہے۔ ریل چلتی ہے ہوا بہتی ہے۔ دنیا و دین کے کاروبار ہوتے ہیں۔ کس کے لئے! صرف تمہارے لئے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند | تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
این ہمہ بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار | شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ترجمہ:- بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان خدمت کرتے ہیں

تاکہ تجھ کو روٹی ملے اور تو غفلت سے نہ کھائے۔ یہ سب تیرے لئے پریشان اور حکم بجا لانے والے ہیں۔ انصاف یہ نہیں ہے کہ تو حکم نہ بجا لائے۔

تمہارا حکم بجا لانا کیا ہے؟ یہ نہیں کہ تم خادم و غلام کی طرح رہو۔ بلکہ سچی خدمت اور سچی فرمانبرداری یہ ہے کہ تم سمجھو بوجھو کہ تم کون ہو اور دنیا میں تمہاری حیثیت کیا ہے۔ اور اسی خیال سے ست پرش رادھا سوامی دیال نے یہ فرمان واجب الاذعان جاری کیا ہے

آپ آپ کو آپ پچھانو کہا اور کا ٹیک نہ مانو

آپ کو پہچان لو اور تم نے اپنی پوری خدمت انجام دے لی اور اگر اپنے کو نہیں پہچانا تو کچھ بھی نہیں کیا

جو تو آپ پچھانیا۔ تو جانا سب جان

جو تو آپ نہ جانیا۔ تو سب جان اجان

نگاہ کو وسیع کرو۔ دل کو وسیع بناؤ۔ عقل کو حرکت دو۔ تنگدلی تعصب اور یکطرفہ بات میں نہ پھنسو۔ یہ غلامی کی کھڑکھڑانے والی زنجیریں ہیں۔ مذہب اور ملت سے ذرا اوپر آکر اپنی حیثیت دیکھو تب تم کو پتہ لگے گا۔ اور اگر اس کے برعکس کرتے ہو تو تیلی کے بیل کی طرح گھر ہی میں پچاس کوس طے کروگے۔ اور جہاں تھے وہاں ہی رہوگے۔

آسن مارے کیا ہوا۔ بجھی نہ من کی آس

جیوں تیلی کے بیل کو گھر ہی کوس پچاس

بات سچی ہے۔ سچی بات شرح کی محتاج نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ کوئی سچا ہو کر اس سے لگے۔ اور اگر وہ بیجا تعصب کا شکار ہے اور ظاہری مذہب کا پرستار ہے تو وہ غلام کا غلام ہی رہا۔ اس کو آزادی کی ہوا تک نہیں لگی۔ وہ اس کو

کیا خاک سمجھیگا اگر ان زنجیروں میں پھنسنا منظور ہے تو پھنسے رہو۔ اگر ان قیود کے خندق میں گرنے کی خواہش ہے تو گرتے پڑتے رہو۔ کوئی کیا کرے۔

اپنے اُلجھے ارجھیاں۔ دیکھے سب سنسار
اپنے سُلجھے سُرجھیاں۔ یہ گورو گیان سچار

سب کہتے ہیں مکتی بڑی اچھی چیز ہے۔ کیا کبھی اس لفظ پر بھی غور کیا ہے؟ مکتی نام ہے آزادی کا۔ مکتی نام ہے حریت کا۔ مگر تم تو زنجیروں میں جکڑے ہو۔ مذہب کی زنجیر۔ خدا کی زنجیر۔ رسول کے ایمان کی زنجیر۔ وید و قرآن کی زنجیر۔ لوک لاج کی زنجیر۔ سمجھ بوجھ کی زنجیر۔ میرے تیرے پنے کی زنجیر۔ کس کس کا نام لیں۔ کوئی سننے والا اور سمجھنے والا ہو تو اس کو کہیں۔ اگر ایک بھی زنجیر نے تم کو جکڑ رکھا ہے تو تم آزاد کب ہو۔ تم ناحق آتی۔ نجات اور آزادی کی ڈینگ مارتے ہو۔ ایک قیدی آدمی کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے اور تمہارے پیچھے تو سینکڑوں موٹے موٹے رسے لگے ہیں۔ ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہیں دل و دماغ کی شکلیں کسی ہیں۔ عقل و فہم پر غلامی کی مُہر لگ گئی ہے۔ تم مکت کیسے ہوگے بارہے جھونپڑے میں اور خواب دیکھے محلوں کا۔ حیثیت ہے غلام کی اور ڈینگ مارے بادشاہی کی۔ ہما راچھکا را امر محال ہے۔ تم چھوٹو گے کیسے!

این خیال است و محال است و جنوں

تم آپ اتنے بندھے ہو کہ کوئی زمینی یا آسمانی طاقت تم کو نجات نہیں دے سکتی اپنی نجات یا تو تم خود کر سکتے تھے۔ یا اگر کسی سچے ناجی و نجات دہندہ کا دامن پکڑ لیتے۔ اس کی صحبت کرتے۔ اس کی باتوں کو غور سے سنتے تو البتہ نجات کی امید ہو سکتی تھی۔ مگر یہاں تو دو میں سے ایک بھی نہیں ہے۔

ہاتھی جکڑا کیچ میں۔ پھنسا ہے وہ سمرتھ
یا چھوٹے بل آپنے۔ کہ دھنی پیارے ہتھ

کیا کہا جائے

مورتوڑ کی جیوری بٹ باندھا سنا
داس کبیر کیوں بندھے جا کے نام ادھار

تم جانتے ہو کہ مرنا برحق ہے اور جان کو بھی پھنستے ہو۔ آخر کب تک اس میں پھنسے رہو گے۔ چھوٹنے کی ہمت کیوں نہیں کرتے۔

آزنگبل باش آزادلے پسر
چند باشی بند سیم وبند زر

آئے ہیں سو جائیں گے راجا رنک فقیر
ایک سنگھاسن چڑھ چلے۔ یک پھنسے جات زنجیر

جب تک کسی کی آس ہے۔ تب تک وہ پھنسانے کی پھانس ہے جو خدا سے بھی کوئی کسی طرح کی امید رکھتا ہے۔ وہ بھک منگا ہے وہ آزاد کیسے ہوگا۔

ایک سے جب دو ہوئے تب لطف یکتائی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں
عاشق و معشوق کی سچی خبر پائی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں
احدیت کے سوچنے کی عقل جب آئی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

جب ایک سے دو ہو گئے تو پھر یکتائی کا لطف کہاں رہا۔ گوسوامی

تلسی داس جی مہاراج فرماتے ہیں۔

پرادھین سپنے سکھ ناہیں

جس نے اپنے آپ کو دوسرے کا ماتحت بنا دیا۔ وہ کیسے سکھی ہو سکتا ہے بات بنی بنائی ہے۔ تم کہو گے۔ لو صاحب! شیو جی مہاراج تو ناستک ہو گئے ایشور کی ضرورت بھی ضرورت محسوس نہ کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ نہیں صاحب نہیں ہم ناستک نہیں ہیں ایشور کو ہم مانتے ہیں۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ تمہارا ایشور تم سے جدا ہے اور تم اور وہ دو ہیں۔ ہمارا ایشور ہم سے جدا نہیں ہے۔ ہم اور وہ ایک ہیں۔ وہ ہم میں ہے اور ہم اس میں ہیں ایک دم اور ایک لمحہ کے لئے اس سے جدائی تو نہیں ہے اور وہ ہماری اپنی ذات ہے لوگ یہ بات اشارہ و رمز و کنایہ میں کہتے ہیں۔ ہم ذرا صاف صاف اور واضح طور پر کہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں چھپنا چھپانا مطلوب نہیں ہے۔ جو ہے وہ ہے اور یہ سمجھ یا تو انسان کو خود آتی ہے یا گورو کی اپار دیا سے ملتی ہے کہنے سننے کے لئے دوئی ہے۔ حقیقت میں دوئی نہیں ہے۔ جب تک بھرم اور اگیان ہے۔ تب تک سنسار ہے۔ جب بھرم اور اگیان کے بادل مٹ گئے حقیقت کا نور مہر انور کی شکل میں آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگتا ہے۔ پھر اس وقت کون کس سے کہے اور کیا کہے اور کیوں کہے۔

میں اس میں رم رہا ہوں وہ مجھ میں رم رہا ہے
کہتا ہے کون ناداں مجھ سے صنم جدا ہے
اثنینیت میں حماقت تثلیث ہے جہالت
توحید کا سبق لو توحید میں خدا ہے

"خدا" ذات ہے۔ ذات کے علم کے بغیر دنیا میں دکھ سکھ کے نظارے ہیں

یہ علم آیا نہیں کہ دوئی کا پردہ اٹھا نہیں۔ سب کچھ چھوڑ دو اپنے آپ کے سمجھنے میں لگ جاؤ۔ تب تم خود سمجھ جاؤ گے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

جانِ جملہ علمہا این است این کہ بدانی من کیم در یوم دین

قیمت ہر کالہ میدانی کہ چیست قیمت خود را ندانی ابلہی ست

بازار میں ایک ہانڈی خریدنا چاہتے ہو تو اس کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیتے ہو کہ وہ ٹوٹی پھوٹی تو نہیں ہے۔ مگر اس بات کی سمجھ نہیں کہ ٹھونکنے بجانے والا کون ہے۔ ہانڈی تم اپنے لئے خریدتے ہو یا تم ہانڈی کے لئے ہو۔ ذرہ سوچو تو سہی مذہب ہانڈی ہے جس میں تم اعتقاد اور ایمان کی ڈھائی چاول کی کھچڑی پکاتے ہو۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ چاول پکانے والا کون ہے اور اس کی اصلیت کیا ہے پڑھا لکھا سب کچھ کیا مگر اپنی خبر ہی نہیں۔ رات بھر بچہ کی پیدائش کی خوشی میں رات دن راگ رنگ کے جلسے ہوتے رہے۔ صبح دیکھتے ہیں کہ بچہ مخنث ہے یہی حال تمہارا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تم پابند مذہب نہ رہو۔ مگر ہم تو یہ کہتے ہیں ذرا اپنی طرف بھی کچھ خیال کرو کہ تم خود کون ہو۔ کیا ہو۔ اگر یہ نہیں سمجھتے تو مذہب کی ہانڈی گلے کا ہار ہوگی۔ اور تم کو غلام بنائے گی۔ اور بد سے بدترین ہو جاؤ گے۔ سنو۔ ایک مسلمان تھا مرد مجرد۔ قاضی نے اس سے کہا میاں شادی کر لو۔ یہ زندگی اچھی نہیں ہے۔ شادی کرنا سُنّتِ پیغمبر ہے۔ اس کو بھی یہ رائے پسند آگئی۔ مگر اس نادان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ عورت اپنے آسائش اور آرام کے لئے ہے وہ اس کو خادم نہ رکھ سکا۔ اور اس کی اپنی نادانی نے عورت کو بیباک اور منہ زور بنا دیا۔ روز روز جھگڑے اور نت نئے بکھیڑے ہونے لگے۔ صبر و قرار رخصت ہو گئے۔ آرام و راحت سب غائب۔ میاں کی حالت تنگ آگئی۔

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ او

زینہار از قرین بد زنہار وقنا ربنا عذاب النار

ایک دن وہی شادی کرانے والے قاضی صاحب میاں کے گھر مہمان ہوئے میزبان نے جورو سے کہا کہ کھانا اچھا پکانا تاکہ قاضی صاحب کھا کر خوش ہو جائیں۔ عورت ہو گئی بھی بدمزاج۔ ہانڈی میں چاول پکا رہی تھی۔ وہی ابلتی اور کھولتی ہوئی ہانڈی اٹھا کر میاں کو اس طرح تاک کر ماری کہ سارا گرم گرم چاول اُن کے سر پر پڑا۔ ہانڈی ٹوٹ گئی۔ اس کا حلقہ حضرت کے گلے کا طوق ہو گیا۔ آپ سمجھ سکتے اُن کی اس وقت کیا حالت ہوئی ہوگی روتے چلاتے ہوئے اسی شکل سے باہر آئے۔ لوگ حیران بعض تو انکی صورت دیکھ کر ہنس بھی پڑے۔ قاضی نے پوچھا یہ کیا ہے۔ ہانڈی کا ہار کیوں پہن رکھا ہے۔ وہ رو کر کہنے لگے۔

حال من از دستِ خاتون ابتر است در گلویم سُنّتِ پیغمبر است

ترجمہ بیوی کے ہاتھ سے میرا حال ابتر ہے۔ میرے گلے میں پیغمبر کی سُنت پڑی ہوئی ہے۔

بجنسہ یہی حال مذہب والوں کا ہے۔ مذہب کو گلے کا طوق تو بنا لیا مگر اس سے کام لینے کی لیاقت و قابلیت نہیں۔ اور چونکہ غلامی کی حالت خرید لی ہے۔ پنڈت اور مُلا اور بھی ان کو کاٹھ کا اُلو بنا رہے ہیں۔ ذرا سی آزادی آئی اور خدا وایشور کے بارے میں سوچنے سمجھنے لگے بس پھر کیا ہے کافر اور ملیچھ کا فتویٰ پاس ہونے لگتا ہے۔ کاش اگر یہ اپنی حیثیت کو سمجھتے کاش ان کو ذات کا علم ہوتا۔ کاش یہ نجات و مکتی کے صحیح معنی اور صحیح مراد سے واقف ہوتے تو یہ حالت نہ ہوتی۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو پہچانو:

وگیان کا نواں نکتہ

قصّہ

تصوف کا ہے نکتہ اور حقیقت کی کہانی ہے
نہیں فرضی خیالی بلکہ سچی دل نے مانی ہے

کام کاج سے جی بھر گیا۔ نہ لکھنے میں طبیعت لگتی ہے نہ پڑھنے میں۔ دل کو لاکھ سمجھائیے۔ مگر پھر وہ نہیں مانتا ہماری اکثر یہی حالت ہو جایا کرتی ہے خبر نہیں یہ اوروں پر بھی گزرتی ہے یا نہیں۔ ہفتوں خواہ مہینوں خوب دل لگا کر کام کیا نئے نئے خیالات۔ نئے نئے منصوبے پیدا بھی ہوتے رہے اور ان کی ساتھ ساتھ تکمیل بھی ہوتی رہی پھر یکبارگی یہ کیفیت ہو گئی کہ حضرت دل لگے بیٹھے۔ لاکھ سمجھاؤ مانتے ہی نہیں۔ نہ کام کرنا چاہتے ہیں نہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جب کبھی یہ حال ہوتا ہے تو ہم بالکل بیکاری کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ جب دیکھو کھاٹ پر پڑے ہوئے۔ سوچنا سمجھنا سب بند لکھنا پڑھنا مسدود۔ بات چیت کرنا موقوف۔ ڈاک والا خط دے جاتا ہے اس کے کھولنے کو جی نہیں چاہتا۔ پڑھنا تو درکنار رہا۔ اور اگر کوئی شخص کام کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے تو سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ چھیڑ چھاڑ سے اتنی نفرت کہ بس رہے بس۔ جب کبھی ہم اس حالت کے پنجہ میں گرفتار ہوتے ہیں تو یا تو گھر چلے جاتے ہیں یا ایسی جگہ جہاں کوئی ملنے ملانے کے لئے بھی نہ آوے کبھی کبھی تو یہ کیفیت مہینوں رہتی ہے کبھی کبھی ہفتوں۔ اور کبھی کبھی صرف گھنٹوں

ہی کے لئے۔ کیا عجب انسان کی موت بھی ایسے ہی پیچ وتاب میں آتی ہو۔
اب تک ہمیں زندگی میں اس کا تجربہ نہیں ہوا۔ اور تجربہ ہوتے پر بھی شاید ہم
اس کی خبر اپنے دنیاوی دوستوں کو نہ بھی دے سکیں گے۔ مزہ یہ ہے کہ ابھی اس
کی طرف بھی میلان نہیں ہوتا۔ صُم وبکم۔ تصویر حیرت بن جانا پڑتا ہے۔ ہم نے
یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ ایسے وقت میں اپنے آدمیوں سے کہہ دیتے ہیں۔
"دیکھنا۔ کوئی آوے تو کہہ دینا۔ سو رہے ہیں"۔ کانوں کو چھٹی دے دی جاتی ہے
اور ہم جیتے جی شہر خموشاں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جہاں نہ ہم ہیں نہ تم ہو نہ
خودی ہے نہ بیخودی ہے۔ نہ انانیت ہے نہ انکساری ہے۔ وہ کیا ہے زبان
کو کہنے کی طاقت نہیں۔ قلم کو لکھنے کی تاب نہیں۔ نہ اس کو خوشگوار کہہ
سکتے ہیں۔ نہ ناخوشگوار۔ من قلابازیاں بھول جاتا ہے۔ اس کے شیشہ کے
تمام خیالی اثرات کے نقش ونگار عارضی طور پر محو ومنفک ہو جاتے ہیں نہ وہ
استغراق ہے نہ محویت۔ نہ دھیان ہے نہ سمادھی۔ نہ کُمبھک ہے نہ ریچک
نہ پورک۔ بیکاری اور باکاری بھی نہیں ہے۔ کوئی کہے بھی تو کیا کہے اور کیسے کہے!
اس کے اظہار کے لئے کافی وقابل اطمینان لفظوں کا ذخیرہ بھی اپنے پاس
موجود نہیں ہے۔ مگر ہم نہ اس کو تہیدستی کہہ سکتے ہیں۔ نہ فارغ البالی۔ وہ نہ
خوشحالی ہے نہ بدحالی۔ حال وقال دونوں معدوم۔ چراغ گل۔ پگڑی غائب
حیرت! حیرت! جب یہ حالت گزر جاتی ہے پھر وہی جولاہے کا تانا
بانا۔ کیا آپ سمجھ سکتے ہو وہ کیا ہے۔ ہم تو نہیں کہہ سکتے۔ مجبور لاچار ہیں۔

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

اور وہ قم بھی کیا ہے؟ نہ قم باذنی ہے نہ قم باذن اللہ۔ کوئی کہے بھی تو کیا
کہے۔ ا۔ ٥۔

بات کہنے کی بھی گر ہو تو زباں پر آئے — کس طرح آگہی کو کوئی یہ سمجھائے
عقل اور علم کی واں ہائے رسائی ہی نہیں — نہ خدا رہتا اس میں خدائی بھی نہیں
جسم سے دور جسے بل عقل سے ہے بالا پرے — نہ جیسے کی بھی وہ حالت ہے نہ سے آ ورے

ایک مرتبہ ابھی چند ہی روز گزرے ہیں کہ اس غلبہ لاقابل البیان کا ظہور ہوا۔ تجربے نے کہا۔ حضرت السنتر پور یا سمیٹو۔ قلم کی گھس گھس کو بند کر دو اس کے غالب آنا معلوم! امام الدین کاتب آیا۔ محمد عالم خوشنویس نے بدفعات مضمون کے لئے تقاضا کیا۔ ہم نے کہا بھائیو! آج ہمارا پنڈ چھوڑ دو۔ جاؤ اور کچھ کام کرو۔ ہم پر تو کوئی اور بھوت سوار ہے۔ اور وہ ہمارے قابو کا نہیں اس پر کوئی جنتر منتر کام نہیں کرتا۔ وہ چلے گئے۔ منیجر کو سمجھا دیا۔ وہ بھی اپنے کام میں لگے ہم نے لمبی تانی۔ نہ خواب ہے نہ بیداری۔ نہ جاگتے ہیں نہ سوتے نہ کروٹیں بدلتے ہیں۔ نہ انگڑائیاں لیتے ہیں۔ کیا قیامت آگئی! یا رب ہم نے اپنی ہستی کی چادر کو سمیٹ لیا۔ اور بیدلے ہو گئے۔ آخر یہ کیا ہے۔ کوئی سبب بھی ہے یا یوں ہی ہے؟

بیخودی بے سبب نہیں غالب — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

جنون ہے یا سودا ہے۔ آخر کیا ہے؟

زبس کہ حسن فزود و دلم گداخت مرا — نہ من تن ختم اورا نہ او شناخت مرا
انت بھوٹ سب مالی ہوئی — لینا ایک نہ دینا دوئی
کوئی کہے تو کیسے کہے — کوئی کہے تو کیونکر کہے
اچرج اچرج کا بستار — نہ وہاں سرشٹی نہ سرجن ہار
دالو نہ چلے بہے نہیں پانی — نہیں وہاں نام نہ رام کہانی
رات نہ دن نہیں سانجھ سویرا — آواگمن نہ ہیرا پھیرا

آنکھ نہ دیکھے کان نہ سُنے ناک نہ سونگھے جِہّیا بھنے
مَن کا داؤں بیچ سب چھوٹا نا کچھ کھویا نا کچھ لوٹا
گیانی ہوئے سو کرے وچار نہیں وہاں سار نہیں سنسار
مایا برہمہ کا کھیل بھولا نا کوئی مورکھ نا کوئی سیانا
کرم دھرم کی گتی وہاں نہیں گیان دھیان سب بھاگے کہیں

خبر نہیں۔ ہم کیا تھے! معلوم نہیں دنیا کیا تھی۔ مجذوبیت۔ محویت۔ معدومیت! وہ کیا تھی!

یہ نہیں معلوم کہ وقت کیسے آیا کیسے گیا۔ کال اور مایا دونوں گم۔ زمان و مکان ہر دو غائب! توحید اثنین اور تثلیث کے تماشے ایسے بھاگے کہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ!

یہ حالت کب تک تھی۔ کوئی کیا کہے۔ اتفاق سے ذرا کروٹ بدلی۔ دیکھتا ہوں کہ دریا ندی کا کنارہ ہے۔ گھاٹ پر ہزاروں آدمیوں کا جمگھٹ۔ عورت۔ مرد۔ ہندو مسلمان۔ سب ہی موجود۔ کوئی نہا رہا ہے۔ کوئی پوجا کر رہا ہے۔ کوئی ہر ہر گنگا گنگا کہتے ہوئے پانی میں کود جاتا ہے اچھل اچھل کر دھم۔ کوئی غوطہ لگاتا ہے کوئی تیر رہا ہے۔ بہت سے لڑکے جل کریڑا (پانی کا کھیل) کر رہے ہیں۔ مالی الگ پھولوں کی ٹوکری لئے ہوئے ہانک لگا رہے ہیں "گنگا کو پھول چڑھاؤ۔ ایک پھول کے چڑھانے سے مکتی ملے گی"۔ ہم ایک مالی کی طرف مخاطب ہوئے "بھئی! تم نے تو مکتی کا سودا بہت سستا کر رکھا ہے۔ ایک پھول کے بدلے مکتی! مکتی نہ ہوئی مولی گاجر ہوئی"۔ وہ بولا "ہاں جی ہاں! ایک پھول میں مکتی ملتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی بھگتی اور شردھا کے ساتھ گنگا کو پھول چڑھا سکے۔ شاید تم ناستک ہو

جو اس بات کو نہیں جانتے" ہم نے کہا "ہم ناستک نہیں ہیں۔ معمولی ہندو ہیں اور اگر تم اس طریقہ کو ہمیں بھی بتا دو تو تمہارا احسان مانیں گے" اس نے کہا "بتانے کو تو میں بتا دوں۔ مگر یہ وقت پھول بیچنے کا ہے۔ اگر وقت گزر گیا تو پھر پھول کون لے گا اور مجھ کو خالی ہاتھ گھر جانا پڑے گا" ہم نے کہا اس کی پرواہ نہ کرو جو اس ٹوکری کا دام ہے وہ ہم دیدیں گے۔ لیکن یہ بات تو ہم کو ضرور ہی بتا دو۔ ہم پھول چڑھا دیں گے تمہاری طفیل مکت ہو جائے اور بھائی! تم خود ایک پھول چڑھا کر ایسا سستا سودا مول کیوں نہیں لے لیتے" مالی کے چہرہ پر شکن آگئی وہ بولا۔ آپ مذاق کرتے ہو یا پھول مول لیتے ہو۔ میں نے گنگا جی کو کتنے پھول چڑھائے ہیں۔ میری مکتی میں کیا شک ہے۔ آپ پڑھے لکھے آدمی نادان مطلق ہو۔ اجی حضرت! بیوہار اور چیز ہے اور پرمارتھ اور چیز ہے دونوں کو ملا کر گیل چوتھ کیوں کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے بیوہارک۔ پرمارتھک اور پرتی بھاسک ستائیں جدی جدی ہیں۔ اگر تم مجھ سے کچھ جاننا چاہتے ہو تو ایک اٹھنّی ٹینٹ سے نکال پھینکو یہی اس ٹوکری کی قیمت ہے۔ اور پھر میں تم کو سب کچھ بتا دوں گا" ہمارے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ جھٹ سے آٹھ آنے کے پیسے اس کے حوالے کئے اور ٹوکری کے پھول رومال میں لے کر اس سے کہا۔ لو اب بتا دو۔ دیر نہ کرو۔ وہ بولا۔ یہ بتلانے کی جگہ نہیں ہے۔ کہیں ایک کنارے چلو وہاں میں تم سے کہوں گا۔ ہم بقول "پابدست دگرے دست بدست دگرے" اس کے ساتھ ہو لئے۔ وہ ہم کو سب سے الگ تھلگ ایک سونسان جگہ میں لے گیا۔ جہاں اور کوئی نہیں تھا۔ اور کہا اب آپ زمین پر بیٹھ جائیے۔ کوٹ پتلون کے میلے ہونے کا خیال

نہ کیجیے۔ جب میں آپ سے بات چیت کروں گا۔ میں بیٹھ گیا۔ ڈِبلی لگی بُری بھلی ہوتی ہے
ایسی حالت میں انسان کیا نہیں کرتا۔ وہ بولا سنو صاحب! تین باتیں ہیں۔
بھاؤنا۔ بیوہار۔ اور پرتی بھاس۔ پرمارتھ حقیقت کو کہتے ہیں جس میں صرف
ست ہی ست اور حق ہی حق ہے وہ شردھا بھگتی اور وشواس کی چیز ہے
اور وشواس بھی کس کا۔ اپنا۔ اپنی اصلیت کا اور سچے مالک کا جس کے دل
میں جو خیال جم گیا۔ اگر سچائی کے ساتھ وہ اس پر قائم ہو جائے تو چشم زدن
میں دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے
دل ما لے کی ہوئی جو دیری سُبحان اللہ شان تیری
آنکھیں کھل جائیں۔ آسمان اور زمین کے سارے طبق نگاہ کے سامنے
آجائیں۔ جو کچھ ہے وہ انسان کا وشواس ہی ہے۔ "پیر من خس است و اعتقاد
من بس است" یہ پرمارتھ ہے۔ بیوہار یہ ہے کہ میں مالی بنا ہوں تم بابو
بنے ہو۔ جو جیسا بنا ہے ویسا کرتا ہے۔ جیسی کا کچھ کا کچھ ویسا ناچ ناچو
جسم کے اعضا میں ہاتھ پکڑتا ہے۔ پاؤں چلتے ہیں۔ زبان بولتی ہے ناک
سونگھتی ہے! اسی طرح انسانوں کا حال ہے۔ کوئی کچھ کرتا ہے کوئی کچھ کرتا
ہے جس طرح آنکھ۔ ناک۔ کان جسم کی نگاہ سے ایک ہیں ویسے ہی سب انسان
اصلیت کی نظر سے ایک ہیں جس طرح جسم کے عضو عضو اپنے بیوہار کی وجہ
سے جدا جدا ہیں۔ ویسے ہی انسان اپنے اپنے درجہ حیثیت اور پیشہ کے خیال
سے الگ الگ ہیں۔ یہ علیحدگی۔ یہ انفصال۔ یہ جدائی صرف بیوہار ماتر ہے۔
یہ بیوہار کی ستا ہے۔ اس کو پرمارتھک ستا سے ملانا نادانی ہے۔
اب رہا پرتی بھاسک ستا وہ وہمی اور خیالی ہے۔ لالچی کو سیپ میں چاندی
کا بھرم ہوتا ہے۔ زرپرست کو گنگا کی ریت میں سونے کے ٹکڑے جھلکتے ہیں

ڈرپوک کو اندھیری رات میں ٹھونٹھ میں بھوت نظر آتا ہے۔ اور وہمی شخص کو رسّی میں سانپ دکھائی دیتا ہے۔ جو خیال دل میں سمایا وہ پھانسنے اور پھیرنے لگا۔ یہ جگت اصل میں پرتی بھاسک ستا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ آسمان میں بادلوں کے چھید کٹے ہوئے ٹکڑوں میں پریاں ناچتی ہیں۔ آکاس میں پھول دکھائی دیتے ہیں۔ بانجھ لڑکا جنتی ہے۔ گیدڑ کے سر میں سینگ لگ جاتے ہیں یہ کیا ہے۔ صرف بھرم ہی بھرم ہے۔ بھرم مٹ جائے کہیں کچھ نہیں۔ مارواڑ دیش کے سراب میں دریا لہراتا ہے۔ باغ بغیچے۔ پل۔ شہر۔ جانور انسان سب نظر آتے ہیں۔ کیونکہ پیاس کے خیال نے دل پر غلبہ پا لیا ہے۔

تشنگاں را نماید اندر خواب — ہمہ عالم بہ چشم چشمۂ آب

شہوت پرست کی نگاہ میں مرد بھی عورت سمجھتے ہیں۔

بنجھا نے بالک جایا — جن سکل جیو بھرمایا
اگیانی نام کہایا — جن مایا سبل اپایا

یہ جو جگت تم دیکھ رہے ہو۔ یہ اسی خیال کا پرپنچ ہے۔ جیسا خیال کیا ویسا دکھائی دینے لگا۔ خیال کو سمیٹ لو۔ پھر کہیں کچھ نہیں۔

گورو اچمبھ کھیل دکھایا — سُرت نام رتن دھن پایا
بکری نے ہاتھی مارا — گو کینا سنگھ اہارا
چینٹی چڑھ گگن سمائی — منگلا چڑھ پربت آئی
گونگا سب راگ سناوے — اندھا سب روپ نہاوے
گوا دھن مدھری بولے — مینڈھک سب ساگر تولے
رادھا سوامی لیلا گائی — الو کو سورج دکھائی

جب گورو پراپت ہوتے ہیں۔ تب یہ بھرم خود بخود دور ہو جاتا ہے اور پارتھ
جیو بار اور پرتی بھاس آپ ہی آپ غائب ہو جاتے ہیں۔ اگر تم ان تین باتوں
کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ تو پھر بحث و مباحثہ قیل و قال اور حجت اور
دلیل سب الگ ہو جاتے ہیں۔ اور جب تک گورو نہیں ملتا سب جھگڑتے
رہتے ہیں۔

(۱) رادھا سوامی دھرا نز روپ جگت میں۔ گورو ہوئے جیو چتائے
جن جن مانا بچن سمجھ کے۔ تِن کو سنگ لگائے

(۲) گر ست سنگ سار رس پایا۔ پی پی ترپت اگھائے
گورو سنگ پریت کری اُن ایسی۔ جس چکور چندائے

(۳) تن کی لگن بھوگ اندری کے۔ جھین میں سب بسرائے
گورو کی مورت بسی ہئے میں۔ آٹھ پہر گورو سنگ رہائے

(۴) نام پرتاپ سُرت اب جاگی۔ تب گھٹ شبد سنائے
شبد پائے گورو شبد سمائی۔ تِن شبد سپت شبد ملائے

(۵) الکھ شبد اور اگم شبد لے۔ نج پد رادھا سوامی آئے
پورا گھر پوری گتی پائی۔ اب کچھ آگے کہی نہ جائے

تم نے سمجھا کہ نہیں بھائی! ہم تو مالی ہیں۔ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل
تم پڑھے لکھے اسامی ہو۔ تم کو کیا کہیں یہ ایک راز تھا جو جتا دیا۔ یہ ایک گُر
تھا جو بتا دیا۔ کیوں کچھ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ ہم نے کہا۔ بھائی! بات تو
تم نے پتے کی کہی ہے۔ مگر ایک پھول درخت سے کتنی کیسے ملتی ہے۔ اس کا
تم نے کچھ بھید نہ بتایا۔ مالی ہنسا۔ وہ مرغی کی وہی ٹانگ! ساری رامائن
ہو گئی اور سیتا کس کی جورو! حضرت! دل کو متوجہ کرو۔ انسان کا دل ہی

تو پھول ہے جس میں سے طرح طرح کی بُو اڑا کرتی ہے۔ کلیاں چٹکتی ہیں۔ بھونرے منڈلاتے ہیں۔ شہد کی مکھیاں بھن بھناتی ہیں۔ پھول کھلا نہیں کہ پھول کی دنیا بنی نہیں۔ آپ ہی آپ سب کچھ ہونے لگتا ہے۔ گنگا حقیقت کی بہتی ہوئی دھار کو کہتے ہیں۔ اپنے دل کا ایک پھول اس میں چڑھا دو۔ مکتی مل جائے گی۔ ایک سے ایک مل گیا۔ دوئی دور ہو گئی۔ یہی مکتی ہے اور کیا مکتی کی کہیں سینگ پونچھ ہوتی ہے۔ ساری بات دل دینے کی ہے۔ حقیقت کے دریا کو اپنے دل کا پھول دیدو اور تم مکت ہو۔

عیش کو راحت و آرام کو دل دیتے ہیں ۔۔۔ رنج و افکار کو آلام کو دل دیتے ہیں
کوئی دیوانہ جنونی نہ سمجھنا ہم کو ۔۔۔ اپنے دلبر کو دلارام کو دل دیتے ہیں
واقفی سے یہی پہچان سگِ دنیا کی ۔۔۔ ننگ و ناموس کو اور نام کو دل دیتے ہیں
کیوں نشہ آتا ہے رندوں سے حقیقت پوچھو ۔۔۔ ساغر و بادۂ گلفام کو دل دیتے ہیں
زلف کو ابروئے خمدار کو خال و خط کو ۔۔۔ مژہ کو روے دلارام کو دل دیتے ہیں
دل نہ شامل ہو تو پھر نور کا جلوہ ہے کہاں ۔۔۔ دل کو دل دیتے ہیں ہر کام کو دل دیتے ہیں
انکی آنکھوں کے سپرد آج کیا مایۂ دل ۔۔۔ بادۂ نرگس بادام کو دل دیتے ہیں
حق تو حقدار کو ہم نے دیا منصف بن کر ۔۔۔ نہیں ہر خاص کو ہر عام کو دل دیتے ہیں

دے گا جو لے گا وہی ہنس کے وہ یوں کہتے ہیں
ہم تمہارے دلِ ناکام کو دل دیتے ہیں

ہم نے کہا واہ مالی صاحب واہ! تم تو لا ہوت کے قطب معلوم ہوتے ہو۔ تم چھپے ہوئے رستم ہو۔ دل کو پھول بتانا تمہارا ہی کام تھا۔ خوب سمجھایا بھائی واہ واہ! مالی بولا واہ واہ نہ کرو۔ یہاں تو نہ کوئی قطب ہے نہ ابدال ہے یہ بھی ایک طرح کا بیوپار ہے۔ میں نے ہی یہ بات نہیں کہی۔ ہندو اور

مسلمان بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے۔ بشرطیکہ کوئی ان کی بات کو سمجھے۔۔ مسلمان صوفی۔ اسی دل کو مدوری۔ صنوبری و نیلوفری کہتے ہیں۔ اگر اسکو گل مدوری۔ گل صنوبری اور گل نیلوفری کہو تو کیا بیجا ہے۔ سنت اسی کو اسی کو اشٹ دل کمل۔ چار دل کمل اور سہس دل کمل وغیرہ کہتے ہیں الغرض جو ہے وہ دل ہی تو ہے۔ اس کو مالک کے بھینٹ کر دو۔ ایک دل دیدو پھر مکتی ہی مکتی ہے۔ اب تو شاید تم سمجھ گئے ہو گے؟ ہم بولے سمجھنے کو تو ہم سمجھے۔ مگر تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ" ایک دل دیدو" اس میں کوئی رمز ہو گا۔ مالی نے کھل کھلا کر قہقہہ مارا۔ تم تو بڑے لال بجھکڑ معلوم ہوتے ہو۔ بات پوچھتے ہو بات کی جڑ۔ مگر خیر تم نے اٹھنی دی ہے۔ میری پھول کی ٹوکری مول لے لی ہے۔ پھول کی ٹوکری کیا مول لے لی۔ دل ہی مول لے لیا۔ اس لئے جو پوچھو وہ بجا اور درست ہے۔ سنو تم کو ایک مزیدار قصہ سناتا ہوں۔ بابو پنا نہ کرنا۔ بات کو سمجھنا۔ اور اس کی تہہ میں پہنچنے کی کوشش کرنا۔ ہم نے پوچھا بابو پنا کیا ہوتا ہے؟ اس نے مسکرا کر کہا بابو پنا اُلٹی سیدھی ہانک لگاتا ہے۔ گرہ کی عقل تو ہے نہیں اور جھگنول کی باتوں پر مخول اور تمسخر اڑاتے ہیں۔ انگریزی کی سٹ پٹ کیا سیکھ لی کہ" ہم چو من دیگرے نیست" کے مصداق بن گئے۔ ان کی ایک مٹھی میں وید اور دوسری مٹھی میں ایشور مقید ہے۔ چاہے وید کو آنکھوں سے نہ دیکھا ہو۔ وایشور کی سمجھ کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔ مگر جب دیکھو تب دون کی ہانکتے ہیں۔ یہ بابو پنا ہے۔ اس بابو پنا کے سامنے۔ فقیر۔ فقرا۔ اہل خیال اور صاحبدلوں کو خاموش ہونا پڑتا ہے۔ ان کو کوئی کیا بتلائے۔ یہ خالی کے خالی رہتے ہیں

تو از خود پُری زاں ہتی ہیں ودی

ہم نے کہا ہم ایسے با بو نہیں ہیں۔ وہ بولا بھگت مال کی کتھا ہے۔ کوئی ناچنے والی عورت تھی جس نے بھول کر بھی کبھی دھرم کا نام نہیں لیا تھا۔ رات دن عیش و عشرت کے نشہ میں چور۔ بدی سے قریب و نیکی سے دور تھی جب دیکھو بدمست۔ ایک مرتبہ وہ کشتی میں بیٹھی ہوئی کہیں جا رہی تھی اور اس کے ساتھ کئی سادھو بھی تھے۔ جو بھگتی بھاؤ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور بھجن گا رہے تھے۔ عورت نے پوچھا تم کون ہو۔ وہ بولے ہم ایشور پراین سادھو ہیں۔ اور سب کچھ پرماتما کے ارپن کر رکھا ہے۔ عورت ہنسی اور مسکرائی اور اس کے ہاتھ کا گلدستہ پانی میں گر گیا۔ اور اس نے کہا یہ بھگوان کو ارپن ہے۔ یہ عورت کچھ عرصہ کے بعد مر گئی۔ جم کے دوت اس کو جمراج کے سامنے لائے۔ جمراج بولا اس کو اندر لوک میں لے جاؤ۔ اس نے بھگوان کے نام پر ایک پھول چڑھایا تھا۔ اس لئے یہ دیوتا ہے۔ وہ لوگ اس کو اندر لوک میں لے گئے۔ عورت سوچتی جاتی تھی کہ جب ایک پھول چڑھانے کا یہ پھل ہے تو چلو اندر لوک کے سُکھ کو بھگوان کے ارپن کر دیں۔ اور اندر لوک کے پھاٹک پر پہنچ کر اس نے داخل ہونے سے انکار کر کے اس کو بھی ایشور کے نام پر ارپن کر دیا۔ جمراج نے کہا اب اس کو دیو لوک سے وشنو لوک کو لے جاؤ۔ اور اسکو وشنو لوک میں پہنچا یا گیا۔ وہاں بھی اس نے وہی سلوک کیا۔ اس وقت آکاش بانی ہوئی "جب تو نے سب کچھ مجھ کو بھینٹ کر دیا تو اب تجھ کو کیا صلہ دیا جائے تو میری ذات ہو گئی" اور وہ عورت مُکت ہو گئی۔ دیکھو ایک پھول کے چڑھانے سے اس کو مُکتی ملی یا نہیں؟ ہم نے کہا یہ قصہ تو ہم نے بھی پوتھی میں بالفاظ دیگر پڑھا ہے۔ لیکن عقل سلیم اسکو صحیح تسلیم نہیں کر سکتی۔ مالی پوا

دیکھا تم نے آخر کو بابو بنا کیا۔ اب بھی اصل اصول کو نہیں سمجھا۔ گو میں نے ابھی ابھی تم کو بتا دیا ہے کہ پھول دل کا نام ہے۔ اور اگر اس کو نہ مانو تو جو پھول دیا جاتا ہے اس کے ساتھ دل شامل رہتا ہے یا نہیں اس لئے اصل میں جو چیز ارپن کی جاتی ہے وہ دل ہے۔ پھول صرف ایک بہانہ ہے۔ مثلاً تم جس کو پیار کرتے ہو اسکو اکثر تحفہ و نذر نیاز بھی دیا کرتے ہو۔ تحفہ و نذر پیش کرنے کے پردہ میں دل چھپا رہتا ہے۔ ورنہ کون کس کو کیا دیتا ہے اور کون کس سے کیا لیتا ہے۔ تم جس کو دل دیتے ہو اس کا پھل بھی پاتے ہو۔ تم نے کتابوں کو دل دیا۔ اس کا علم پایا۔ اسوقت دریا کے سیر کو دل دیا۔ تفریح اور تازگی نصیب ہوئی۔ مجھ کو دل دیا میں نے گیان دھیان کی باتیں بتائیں۔ اس لئے دنیا و دین میں جو کچھ ہے وہ دل ہی ہے دل ہی سب کچھ ہے۔ اب آپ سمجھے کہ اب بھی کچھ کسر ہے۔ ہم نے کہا سمجھنے کو تو ہم نے سمجھ لیا۔ مگر اس عورت کے قصہ میں آپ نے تین مرتبہ بھینٹ چڑھانے ذکر کیا ہے۔ مالی بولا۔ یہ نہ کہئے! آپ اب تک "اسی تین کا لنے" کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ بہت اچھا۔ اب اس کی بھی صراحت کئے دیتا ہوں۔

پہلے جو دل دیا جاتا ہے وہ سفلی اور حیوانی دل ہے۔ اس میں بچوں کی سی سادگی رہتی ہے۔ جب یہ ارپن کیا جاتا ہے تو انسان میں فرشتوں کے سے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ ملکوتی صفات بن جاتا ہے۔ اور دیوتا ہو جاتا ہے اور اس کا دل دیوتاؤں کا سا دل ہو جاتا ہے۔ اور نورانی نظارہ دیکھ کر وہ خوش ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اس میں پھنس گیا تو پھنس گیا۔ ترقی رک گئی اور اگر برعکس اس کے اس نے وہ دل بھی ایشور کے ارپن کر دیا تو وہ خالص روحانی اور وشنو لوک کا باسی ہوتا ہے جس کے مزے بے حد و حساب ہیں اگر وہ مزا لیتا ہے تو روحانی مزے لیا کرے۔ لیکن اگر وہ روحانی دل

بھی ایشور کے بھینٹ کر دیتا ہے تو پھر کہو گے وہ کس لوک میں جائے۔ وہ ذاتِ مطلق اور ذاتِ واحد ہو جاتا ہے۔ یہی مکتی ہے اور دیکھو ایک پھول سے حاصل ہوتی ہے سکنے کے لئے جتنے دل چاہو بنا لو۔ اصل میں ایک ہی دل ہے جو تبدیلی کے قانون کے زیر اثر کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ تم جس کا تصور کرو جیسے ہی بن جاتے ہو اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ ہم نے اپنی احسانمندی ظاہر کی اور کہا کہ افسوس ہے ہم اتنے دنوں سے لاہور میں رہتے ہیں آپ کا درشن پہلے نہیں ہوا۔ ورنہ صحبت کا فیض اٹھاتے لوگوں سے سنتے آئے ہیں کہ فقرا اکثر بھیس بدلے ہوئے دنیا کے چھوٹے موٹے کام کیا کرتے ہیں۔ اور کسی کسی کو اُن سے فیض پہنچتا ہے۔ آج وہ بات صحیح معلوم ہوئی۔ خیر یار باقی صحبت باقی۔ کبھی کبھی ملا کریں گے۔ ہم چھپے چھپے گھر سے باہر نہیں نکلتے لاہور میں ہمارا کوئی ملنے جلنے والا نہیں ہے۔ ایک منشی سورج نراین صاحب تھے جن سے مل کر جی خوش ہوتا تھا۔ اب وہ دلّی چلے گئے۔ اگر آپ نظر عنایت فرمائیں گے تو کبھی کبھی آ کر درشن کیا کروں گا۔ اور اس درشن سے زندگی کا فائدہ حاصل کروں گا۔ مالی ہنا تم ان کا درشن کرو جو تمہارے دل میں بستے ہیں۔ اور جنہوں نے مہربانی فرما کر تم کو اپنے گیان اور ذات کا درشن بخشا ہے۔ اور کسی کو دیکھ کر کیا کرو گے۔ بس وہی ایک کافی ہیں اور ان میں ہی سب کچھ۔ ہم تم وہ یہ موجود ہیں۔ تم بھول گئے۔ کیا انہوں نے آگرہ سے متعدد خطوط میں تم کو نہیں لکھا تھا کہ "آگرہ آنے کی موج نہیں ہے۔ روحانی طور پر تم کو دور رہ کر تعلیم دینا منظور ہے۔" اس پاک شخصیت نے سچ مچ تم کو اپنا وارث بنا لیا ہے اور اسی کا سبب ہے کہ تم آج ہم سنت کبیر صاحب کے بیجک پر ٹیکا لکھ رہے ہو۔ ورنہ یہ پتھر تم کبھی نہ اٹھا سکتے۔ کیونکہ بیجک کا

کے روشنی نما ٹکڑے ہوئے۔ دل میں مالی کی شردھا پیدا ہوئی کیوں کہ اس نے وہ باتیں بتائی تھیں جن کو اور کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔ دو سچے پرم پتا حضور داتا دیال کا تصور دل میں آیا۔ مالی نے کہا بس بس اب زیادہ گفتگو کا موقع نہیں رہا۔ ان پھولوں کو گنگا ماتا کے ارپن کر دو کیونکہ اسی ارادہ سے تم نے ان کو خریدا ہے۔ اور آئندہ اگیانی کی طرح کسی فقیر کے ساتھ ایسی بے تکی باتیں نہ کرنا۔ سوجان بن کر انجان ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ اگیان کو ہاتھ پاؤں پسارنے کا موقعہ ملے گا۔ یہ کہہ کر اس نے زبردستی وہ پھول میرے ہاتھوں سے لا دی میں بہا دیا۔ اور چونکہ زمین رتیلی تھی۔ میں خود دھم سے پانی میں گرا

دگیان کا دسواں نکتہ

قصہ کا بقیہ حصہ

علم و بعلمی ہیں دونوں ایک شے
کوئی کیا کس سے کہے اور کیا سنے

دریا کے پانی میں گر پڑے۔ گرنے تک کا تو علم تھا۔ مگر آگے کی بات نہیں معلوم۔ جب وقت آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو ایک خوبصورت اور سادگی کیساتھ آراستہ کمرہ میں لیٹا ہوا پایا۔ اس کے تمام دروازے چشم مشتاق کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ خوشگوار صبح کی ہوا بہہ رہی تھی جس کی لپٹ میں بھینی

بھینی خوشبو کا مادہ شامل تھا۔ اس کی مثال کس سے دیں۔ نہ وہ صندل کی خوشبو نہ کیوڑا گلاب۔ موتیا اور نرگس کی۔ ہم نے سر اٹھایا۔ ایک خوبصورت چھوٹا سا باغیچہ نظر آیا۔ جس میں طرح طرح کے خوشرنگ پھولوں کے درخت لگے ہوئے تھے بھونرے منڈلا رہے تھے۔ خوش الحان طیور مستی اور سرور کے لہجہ میں گا رہے تھے۔ دنیا کے پرندوں کی بولی تو ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ مگر وہاں ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ کبیر صاحب کی اس مقدس بانی کا پاٹھ (تلاوت) کر رہے ہیں۔ مگر یہ گانا زبان سے نہیں تھا صرف دل کے خیال سے تھا۔ خیال حرکت میں تھا اور وہی گا رہا تھا۔

چُوات امی رس بھرت تال جہاں شبد اُٹھے اسمانی ہو
(۱) سرتا اُنڈ سندھ کو سوکھے نہیں کچھو جات بکھانی ہو
چاند سورج تارا گن نہیں واں نہیں، وہاں رین بہانی ہو
(۲) باجے بجیں ستار بانسری رر لگار مرُدو بانی ہو
کوٹ جھلملی جہاں وہاں جھلکے بن جل برست پانی ہو
(۳) شو اج وشنو سرسُتی ساردا بچ بچ مت انمانی ہو
دس اوتار ایک تت راجیں، استتی سہج سہانی ہو
(۴) کہیں کبیر بھید کی باتیں برلا کوئی پہچانی ہو
کر پہچان پھیر نہیں آوے جم ظلمی کی کہانی ہو

خوشی! خوشی!! خوشی!!! ہر طرف سرور ہی سرور تھا۔ رنج وغم بالکل کافور تھا۔ راگ سوہاونا، دلفریب اور دلکش! اس سے روح کو مقوی اور مفرح غذا ملتی تھی۔ یہ بھجن ہم کو پہلے سے یاد تھا۔ مگر ہم اس کو اتنا سمجھے نہیں تھے۔ اب جو سُنا۔ روح پھڑک گئی۔ وجد میں آگئی۔ گانے والے آدمی نہیں۔ خوش آہنگ

طیور تھے۔ ایک ایک لفظ دفتر معرفت کے نکتے پیش کرتا تھا۔ کوئی کہے بھی تو کیا کہے۔ انسانی زبان ان کو ادا نہیں کر سکتی۔ کان سنتے تھے اور کان کی راہ سے دل وسمے کے برتن میں آب حیات کے چھلکتے اور جھلکتے ہوئے بوندوں کی طرح رس رس کر سماتے جاتے تھے۔ طبیعت کو سیری نصیب نہیں ہوتی تھی۔ لہجہ رسیلا۔ کلام پر معنی! اس کا کچھ مطلب خیز ترجمہ ہم اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں اس طرح کئے دیتے ہیں۔

"آب حیات کا شربت رس رس کر ٹپکتا ہے۔ اس سے تالاب بھرتا جارہا ہے۔ اور آسمانی نغموں کی صدا گوش زد ہو رہی ہے۔ ندی اور دریا الٹ کر سمندر کو جذب کر رہے ہیں۔ یہ تماشہ بیان میں نہیں آسکتا۔ نہ وہاں چاند ہے نہ سورج۔ نہ جگمگ کرنے والے ستاروں کا جمگھٹ ہے نہ وہاں رات ہے نہ دن ہے۔ ستار اور سنکھ کے باجے بج رہے ہیں اور "رار رنگ رار رنگ" کی طرح خوشگوار آواز آرہی ہے۔ ہزاروں اور کروڑوں جھلملیوں کے راستے سے روشنی چھن چھن کر آرہی ہے۔ اور بغیر پانی کے پانی برستا ہے۔ شیو۔ برہما۔ وشنو۔ اندر اور سرسوتی اپنے اپنے عقل کے موافق اس حالت کا مواد نہ اور قیاس کر رہے ہیں۔ وشنو کے دس اوتار ایک (پرم) تتو میں مستغرق ہو کر حمد اور ستائش گا رہے ہیں۔ کبیر صاحب بھید کی باتیں کہتے ہیں۔ مگر کوئی شاذ آدمی اُن کو سمجھتا ہے۔ اور اگر وہ آپکی سمجھ میں آجاتی ہیں تو پھر وہ قمار اور جبار جمراج کے پھندے سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اور آواگون کی زنجیر کی کڑیاں ہمیشہ کے لئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں"

حیرت ہے۔ حیرت کا معاملہ ہے! یاالٰہی یہ کیا مقام ہے۔ جہاں کے

وہ مرد کہے جا سکتے ہیں نہ عورت۔ سب ایک صورت کے۔ سب کے سب لانے کے سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ اُن کی صورتیں کنول کی کلیوں کی طرح شگفتہ اور خنداں۔ وہ ہمارے جانب رجوع ہوئے۔ سب کے سب خاموش زبان سے بولتے نہیں تھے۔ مگر اُن کے خیال کی زبان ہمارے آنے کے خیر مقدم کا اظہار کر رہی تھی۔ دل دل کی باتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ زبان کے تکلفات یہاں نہیں تھے۔ یہ سب آئے اور آکر ہمارے ارد گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ ہم گویا کرشن تھے اور یہ گوپ اور گوپیاں تھیں۔ ہم نے نظر اُٹھائی۔ اُن سب نے ٹکٹکی باندھ کر ہم کو دیکھا۔ ادھر ہم نے اُن کے حال اور خیال کی زبان سے کبیر صاحب کا بھجن لپنے گوش زد کیا۔

محرم ہو سو جانے سادھو ایسا دیس ہمارا

(۱) وید کتیب پار نہیں پاوے۔ کہن سنن سے نیارا
ذات برن کل کریا ناہیں۔ نہیں سندھیا نیم اچارا

(۲) بن جل بوند پڑے جہاں بھاری۔ نہیں میٹھا نہیں کھارا
سُن محل میں نوبت باجے۔ کنگری بین ستارا

(۳) بن بادل جہاں بجلی چمکے۔ بن سُر شبد اُچارا
بنا سیپ جہاں موتی پوسے۔ بن سورج اجیارا

(۴) جو چل جائے برہم جہاں درسے آگے اگم اپارا
کہیں کبیر تہاں رہن ہماری کوئی بوجھے گورو کا پیارا

وگیان کا دسواں نکتہ

ترجمہ۔ کوئی محرم اسرار ملے تو وہ البتہ ہمارے وطن اور مسکن کی خوبیوں کو سمجھ سکتا ہے۔ وید اور قرآن کو کہنے کی طاقت نہیں۔ کیونکہ وہ کہنے سننے سے نیارا ہے۔ نہ یہاں قومیت کا جھگڑا ہے۔ نہ شریعت کا رگڑا ہے۔ نہ صبح شام کی نماز۔ نہ ان کا فتوے۔ وہ پریم بغیر جل کے بارانی ہوتی ہے۔ بڑی بڑی بوندیں ٹپکتی ہیں۔ جو نہ میٹھی ہیں نہ کھاری ہیں۔ سُن (لامکان) میں آٹھوں پہر نوبت بجتی ہے۔ سارنگی بین اور ستار کے گت آٹھوں پہر بجتے رہتے ہیں بغیر بادل کے بجلی چمکتی ہے۔ اور بغیر سورج کے روشنی ہے۔ آنکھیں نہیں ہیں مگر موتی پرو دیا جاتا ہے۔ سُر نہیں ہے۔ مگر شبد (نغمہ) گوش زد ہوتا ہے اس سے ذرا آگے بڑھنے پر برہم کا جلوہ نظر آتا ہے۔ پھر اس کے آگے اگم اور اپار ہے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں۔ وہی ہمارا مسکن مولد اور وطن ہے کوئی گورمکھ پیارا یعنی فنا فی المرشد مرید اس کو سمجھ سکتا ہے۔

ہم چونک اٹھے۔ یہ کیا جگہ ہے کہیں یہ عالم ہیولا یا سوکشم رچنا کا مقام تو نہیں ہے۔ اپنے ہمنشینوں کو غور کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ سب کے سب اپنے ذاتی نور سے منور تھے۔ صورت شکل آدمیوں کی سی۔ مگر ان کا سب کام خیال کی مدد سے ہوتا تھا۔ حواس عشرہ کی ظاہر لطیف صورتیں موجود مگر وہ ایسی ضروری نہیں۔ کیونکہ ہمارا دل اپنے اندر ہی اندر محسوس کر رہا تھا کہ ان کے فرائض اور زندگی کے کاروبار لطیف حواس کی مدد سے انجام پاتے ہیں۔ خیال کیا نہیں کہ شے مطلوب خیال کی دھاروں کی مدد سے ان کے پاس آتی نہیں۔ اسی خیال کو مذہبی اصطلاح میں "درخت طوبےٰ" اور "کلپ برکش" کہتے ہیں۔ بات کا ہیر پھیر ہے۔ خیال ہی اصل میں وہ شاندار درخت ہے جس کی شاخوں میں دو قسم کے پرندوں کے گھونسلے ہیں۔ ایک پرند تو

طرح طرح کے پر و بازو رکھتے ہیں اور رنگ برنگ کے ہیں۔ یہ اپنی خواہش اور افعال کے موافق اس درخت کا پھل کھاتے ہیں۔ دوسرا پرند نہلے پروں والا ہے وہ انکو سہارا دیتا رہتا ہے۔ پہلی قسم کے متعدد پرند جیو ہیں۔ دوسرا ایشور ہے ہم ابھی اسی خیال کے ادھیڑبن میں تھے کہ وہ مقام خود بخود روشن ہوگیا طرح طرح کی بجلی کی روشنی نمودار ہوگئی۔ خوشی کا عالم! سب کی باچھیں کھل گئیں۔ ہم کو محسوس ہونے لگا کہ جو خیال ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے اس کی خبر اس عجیب و غریب مخلوق کو فوراً ہی ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی ہمارے اپنے خیالی احساس کی رگ کو وہاں اسقدر تیزی نصیب ہوگئی تھی کہ ہم بھی اس کے مفہوم اور مرکوز ذہنی کو بھانپ لیا کرتے تھے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے۔

کہ دلہا را بدلہا راہ باشد

یہ معمہ یہاں آنے سے خود بخود حل ہوگیا۔ اور جس کو دنیا میں لوگ بمشکل سمجھتے ہیں اس کا یہاں کاروبار ہوا کرتا ہے۔ پھر تو ہمارے اور ان کے درمیان خیالی گفتگو شروع ہوئی۔ ہم نے ایک خاص شخص کو جو قریب بیٹھا تھا اپنے خیال کے عمل کا مرکز بنا لیا۔ سمجھانے بجھانے کے لئے اس موقع پر ہم اس کا نام "شیاما" رکھ لیتے ہیں۔ تاکہ اس دلچسپ مکالمہ کے سمجھنے میں ہمارے پڑھنے والوں کو دقت نہ ہو۔ ہم انسان تھے۔ انسانیت کی تمام خو بو ہم میں باقی تھی۔ اس لئے ہمارا نقطہ نگاہ بھی انسانی تھا۔

تاہم آفرین ہے اس مخلوق کو! وہ ہمارے آلائشات۔ لغویات اور لغزشات کو نظر انداز کر دی جاتی تھی۔

شیو۔ یہ کیا مقام ہے۔ اور ہم یہاں کیسے آئے!

شیاما۔ یہ عالم ملکوت ہے اور چونکہ خیالی طور پر تم کو اس کے ساتھ

ہمدردی تھی کسی بزرگ کی خیالی مدد سے تم یہاں پہنچے ہو اور ہم لوگ تم کو دیکھ کر خوش ہیں اور دلی ہمدردی سے تمہارا خیر مقدم کرتے ہیں۔ جب کوئی نیک اور روحانیت پسند شخص یہاں آتا ہے۔ سب لوگوں کو خوشی ملتی ہے۔

شیو۔ یہ گانیوالے عجیب الخلقت پرند اسی مقام سے مخصوص ہیں یا اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں۔

شیاما۔ یہ اصل میں تمہارے ہی نیک اور روحانی جذبات ہیں جو تمہارے آگے خوشی سے پھدک پھدک کر ناچتے اور گاتے رہتے ہیں۔ اور جیسا تمہارا خیال ہوتا ہے اُسی کے موافق ان کا ناچ رنگ ہوا کرتا ہے۔ یہ انسان کے پریم اور محبت کے جذبات کی مجسم صورتیں ہیں جو صرف اس طبقہ سے مخصوص ہیں اور جگہ اور خاصکر دنیا میں ان کی ظاہری صورت کا دیکھنا مشکل ہے۔

ہم متعجب ہوئے اور ساتھ ہی بہت خوش بھی ہوگئے۔

شیو۔ اس عالم کے باشندوں کی گزراوقات کی کیا صورت ہے؟

شیاما۔ گزراوقات کی اصطلاح سے ہمارے کان ناآشنا ہیں کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہمارا وقت کس قسم کے مشغلوں میں گزرتا ہے۔ اگر یہ سوال ہے تو سنو کہ یہاں مختلف ارواح اپنی خوشی کے لئے جس قسم کا سامان چاہتے ہیں محض خیال کی مدد سے پیدا کر لیتے ہیں۔

شیو۔ ہاں۔ یہ بھی مطلب تھا۔ یہ تو معلوم ہوگیا کہ تم لوگ بیکار نہیں رہتے دوسری یہ بات ہے کہ تمہارے رزق و معاش کی صورت کیا ہے؟ آیا تم کسی کی نوکری بھی کرتے ہو یا پیشہ صنعت و حرفت معلمی۔ دوکانداری۔ وغیرہ وغیرہ۔

شیاما۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ان لفظوں کو تو ہم نے کبھی نہیں سنا۔ اخاہ! اب جا کر سمجھا۔ یہ سب پیشے۔ نوکری چاکری وغیرہ جن کا زمین

کے کروں پر رواج ہے۔ حضرت انسان کی انانیت، خودی اور خودپسندی کی مظہر ہیں۔ چونکہ ان میں "اہم بھاؤ" "ماؤمنی" "میرا تیرا پنا" ہے۔ اس لئے قدرت کے قانون نے اس کا علاج (یہی) سزا کو مقرر کیا ہے۔ حضرت شیو! جب تم زمین کے مخلوق نہیں تھے۔ تب تم کو پیٹ کی فکر تھی۔ یوں بھی تو زندگی کے ابتدائی حصہ میں اس کا خیال نہیں رہتا۔ ہاں انانیت کے پھرتے ہی یہ گورکھ دھندا زمین والوں کے لئے شروع ہوجاتا ہے۔ اور وہ پسینہ گارے کی روٹی کھاتے ہیں اور خون جگر پیتے ہیں۔ یہاں یہ بکھیڑے جھگڑے نہیں ہیں۔ کیونکہ انانیت نہیں ہے۔ اور خودبخود سب ہوتا رہتا ہے۔ آپ بھی پہلے اسی مقام میں تھے۔ پھر زمین میں جاکر پیدا ہوئے اور وہاں زمینی آلائشات سے آلودہ ہوگئے۔

دلا تاکے دریں کاخ مجازی　　کنی مانند طفلاں خاکبازی
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ　　کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی　　چو دوماں چغدایں ویرانہ گشتی

زمین پر بھی جو اپنے آپ کو آلائشات سے پاک رکھتے ہیں وہ تفکرات سے آزاد رہتے ہیں۔

اجگر کرے نہ چاکری پنچھی کرے نہ کام
داس ملوکا کہہ گئے سب کے داتا رام

ہم متعجب ہوئے

شیو۔ تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ ہم یہاں پہلے تھے؟ ہم کو تو یاد نہیں ہے۔

شبا ما۔ یاد ہو نہ ہو۔ جو جاگتا ہے وہی سوتا ہے جو سوتا ہے وہی جاگتا ہے۔ دونوں لازم بالملزوم ہیں۔ تم یہاں سے گئے تھے۔ اس لئے یہاں پھر

آئے ہو۔ نہ گئے ہوتے تو نہ آتے۔ جو مرتا ہے وہی پیدا ہوتا ہے۔ جو پیدا ہوتا ہے وہی مرتا ہے۔

شیو۔ سچ ہے۔ اتنی سمجھ تو ہم کو بھی ہے۔ تو اس جگہ پیٹ کے لئے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔

ششیاما۔ نہیں یہاں احتیاج اور ضرورت کا سوال نہیں ہے اور اس لئے اس قدر قیود نہیں ہیں۔

ہر چہ پیش پیراں را کند رو بازار ... احتیاج است احتیاج است احتیاج
بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ... کسے را با کسے کارے نباشد

شیو۔ تو کیا یہ بہشت ہے؟ اور ہم بہشت میں آئے ہوئے ہیں؟

ششیاما۔ ہاں تمہاری زمین کی نگاہ سے یہ بہشت ہے۔ یہ اس سے نسبتاً بہتر ہے۔

شیو۔ اس کا کیا مطلب ہے نسبتاً اور بہشتی نگاہ سے تمہارا کیا مقصد ہے؟

ششیاما۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے متعلق انسان کا خیال بہتر ہے وہ اس کو اچھا سمجھتا ہے۔ اور زمینی خاکی قالب چھوڑنے کے بعد اکثر یہاں آ جایا کرتا ہے۔

شیو۔ ہم کیسے آئے؟

ششیاما۔ جیسے اور لوگ آتے ہیں۔

سنگو سنگے بھید سب دیکھا ... اُن کی کرپا درشن ہم کینھا
بل اپنا دے سُرت چڑھایا ... الکھ لوک کا بھید سنایا

شیو۔ یہ سب سچ ہے۔ پھر کھانا پینا لوگوں کا کیسے یہاں چلتا ہے؟

اگر ضرورت نہ ہو تو دل میں خواہش اور مانگ کا خیال کبھی نہ آئے۔ اگر انسان میں مانگ کا خیال نہ ہو تو قدرت کو کبھی مہیا کرنے کی تکلیف نہ ہو۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ مانگ کے ساتھ مہیا کرنے کا سامان لگا ہوا ہے۔ یہ سب گورکھ دھندا ہے۔ انسان کی انانیت نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے۔ ورنہ دنیا میں بھی انانیت کی جڑ کاٹ دینے سے یہ سب رفع ہو جاتے ہیں۔ میں نے تم کو جاننے والا نادان اسواسطے کہا ہے کہ تم بطور خود اس اصول کو سمجھتے ہو۔ اور پھر بھی خواہ مخواہ مجھ سے ایسا سوال کرتے ہو۔ سنو۔ تمہارے اپنے معتقدین کے زمرہ میں ایک صاحب *پنڈت نیفر چند بشر ما اسٹیشن ماسٹر کندیاں ضلع خوشاب (پنجاب) میں رہتے ہیں۔ یہ ضلع ہوشیارپور کے باشندے ہیں۔ ان کی ایک بچی ہے۔ جس نے انیس برس سے ایک ٹکڑہ روٹی کا بھی نہیں کھایا اور وہ زندہ ہے۔ اس کی زندگی زمینی حکماء اور فلاسفر کے استعجاب کی باعث ہے۔ انگریز و ہندوستانی اس کو دیکھ کر دنگ ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس کا دل اندرونی غذا مہیا کرتا ہے دماغ سے ہر ایک شخص کے امرت کی بوندیں ٹپکتی رہتی ہیں جو زندگی قائم رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ یوگی سمادھی کے وقت اسی کو پیتے ہیں اور وہ مرتے نہیں۔ کیا کلوں تم جانتے ہوا اور پھر بھی سوال کرتے ہو۔ اس رچنا میں "ایک" کے سوا دوسرا کون ہے۔ وہ آپ اپنی غذا ہے۔

* جن صاحبوں کو ضرورت ہو وہ خط اسی پتہ سے لکھ کر دریافت بھی کر سکتے ہیں اور جی چاہے تو دیکھ بھی آسکتے ہیں یہ زندہ مثال ابھی تک دنیا میں موجود ہے + (رشیو)

پانی کیسا خونِ جگر کھو نتنے ہیں ہم　　کھاتے ہیں گر غذا تو لعابِ دہن کیسا
کرتے ہیں کام کاج بھی کیا بانکپن کیساتھ　　رہتے ہیں اپنے اصل کے وہ سایہ بھی ساتھ

شیو۔ خوب! یہ واقعہ تو ہم نے خود فقیر چند کی زبانی سنا تھا اور وہ صحیح ہے مگر تم لوگ یہاں اس طرح رہتے ہو۔ کیا دنیا میں اور بھی ایسی مثالیں ہیں؟

شیاما۔ کیوں نہیں مگر دیکھنے و سمجھنے والے کم ہیں۔ جہاں انانیت ہے وہاں ہی اگیان ہے۔ انانیت نہ ہو تو گیان ہی گیان ہے۔ اور جب گیان واگیان دونوں نہ ہوں تو پھر وگیان ہے۔ یہی اپنی ذات ہے۔

شیو۔ تم میرے بیہودہ سوالوں سے ناراض تو نہیں ہوئے؟

شیاما۔ پھر وہی زمینی و انانیت کی باتیں! رضامندی و ناراضگی دونوں انانیت میں ہیں۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں۔

شیو۔ شکریہ آج تم نے بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔

شیاما۔ واہ نادانی! سارے مسائل تو اسی وقت تمہارے حل ہو گئے تھے جب تم نے پورن دھنی حضور مہاراج مقدس کے چرنوں میں سر جھکایا تھا۔ کیا اس پاک شخصیت نے تم کو خطوط میں بار ہا نہیں لکھا تھا۔ کہ "آگرہ آنے کی ضرورت نہیں۔ دور رہ کر تمہاری روحانی تعلیم کی جا رہی ہے" دور اور نزدیک کے اصطلاحات فرضی ہیں۔ تم جانتے ہی ہو۔

یار نزدیک تر از من بہ من است　　ایں عجب بین کہ من از وے دورم

شیو۔ بھلا یہ تو بتاؤ۔ تم یہاں کی مخلوق ہو۔ ست پرش حضور مہاراج کو کیسے جانا؟

شیاما۔ ہا ہا ہا۔ کیا تم ان کو زمینی مخلوق سمجھتے ہو۔ وہ تو سارے کائنات

کے چلانے والے انسان اور دیوتاؤں کے گورو ہیں۔ وہ ہر جگہ موجود اور حاضر ناظر اور سب کے راہِ حقیقت کے دکھانے والے اور اپنے بھگتوں کے انگ سنگ ہیں۔ کیا تم ان کو اپنے سے جدا سمجھتے ہو؟

شیو۔ استغفراللہ حضور مہاراج ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں۔

شیاما۔ بس پھر سوال کیسا؟

شیو۔ نادانی تھی اور کیا؟

شیاما۔ تم دانا نادان ہو۔ حقیقت میں جو دانا ہے وہی نادان ہے وہی سیانا ہے۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند ... در جہل مرکبا بدالدہر بماند

آنکس کہ نداند و بداند کہ نداند ... او ہم اسپ خویش بمنزل برساند

آنکس کہ بداند و بداند کہ نداند ... اسپِ عقلِ خویش با افلاک رساند

آپ یہاں آئے بہت اچھا ہوا۔

شیو۔ کیا تم مجھے تمام کائنات کے مخلوق کی مشابہتی اور نسبتی حالت دکھلا سکتے ہو؟

شیاما۔ ہاں۔ لال بجھکڑ صاحب ہاں

شیو۔ وہ کس طرح؟

شیاما۔ وہ اس طرح کہ سب مخلوق نیچے سے اوپر تک ایک ہیں اور باہم مشابہ ہیں۔ اختلافات کی دنیا میں وہ مختلف الصورت۔ مختلف المزاج مختلف الحیثیت۔ مختلف النوع اور مختلف الحال ہیں۔ اصل میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ اصل جو ہر سب کا ایک ہے۔ اور سب ایک ہیں حیوان انسان۔ عناصر۔ فرشتے اور انسان کی اپنی بنائی ہوئی مخلوق۔

شیو۔ یہ ممکن کیسے ہے۔ جاندار اور بے جان ایک طرح کے کیسے ہو سکتے ہیں۔

شیاما۔ جاندار اور بےجان۔ یہ تمہارے اپنے گھڑے ہوئے الفاظ ہیں۔ ورنہ نہ کوئی جاندار ہے۔ نہ کوئی بےجان۔ ہر وجود اپنی خاص ہستی رکھتا ہے۔ جبتک اس ہستی میں تماشہ دکھلانے کی طاقت ہے تب تک وہ تماشہ دکھاتی ہے۔ بعد کو نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اور دوسری حالت میں منتقل ہو جاتی ہے۔

شیو۔ گو یہ صحیح ضرور ہے۔ مگر جاندار میں حرکت ہے۔ بےجان حرکت سے خالی ہیں۔

شیاما۔ یہ بھی تمہارا اپنا خیال ہے۔ ورنہ تبدیلی کے طبقہ میں کوئی شے بھی حرکت سے خالی نہیں ہے۔ تم چلتے پھرتے ہو۔ یہ تمہاری حرکت ہے درخت اُگتے۔ بڑھتے پھولتے پھلتے ہیں۔ یہ ان کی حرکت ہے۔ معدنیات کے اندرونی ذرات تبدیل ہو ہو کر رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ یہ اُن کی حرکت ہے خشک لکڑی کے اندرونی پرمانو اس کو سڑاتے گلاتے۔ ٹھوس وملائم کرتے رہتے ہیں۔ وہ اس کی حرکت ہے مٹی کے ذروں میں، پانی کے قطروں میں، ہوا کے جھکولوں میں، آگ کے شعلوں۔ آکاش کے خلا میں ہر جگہ حرکت ہی حرکت ہے۔ تم کیسے کہتے ہو کہ یہ حرکت سے خالی ہیں۔ حرکت کا خیال تمہارے دلوں میں اشیا کی نسبتی مدارج کے لحاظ سے قائم ہے۔ تم اپنی نسبت سے ہر شے کا اندازہ لگاتے ہو۔ اس لئے یہ بھرم ہی بھرم ہے۔ ورنہ ہر شے میں حرکت ہے۔ حرکت نہ ہوتی تو وہ ایک حالت میں رہتیں۔ کیا تم کوئی ایسی چیز دکھا سکتے ہو جو ہمیشہ ایک رنگ ایک وضع اور ایک حال میں ہو۔ نہیں ہم ایسا خیال نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں

بہ یک لمحہ بیک ساعت بیک دم   دگرگوں میشود احوال عالم

شیو۔ صحیح ہے مگر جاندار خیالات کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں اپنا اثر اوروں کو دیتے ہیں اور دوسروں کا اثر قبول کرتے ہیں۔

شیاما۔ اس میں بھی تمہاری غلطی ہے۔ پانی مٹی۔ ہوا آگ۔ اپنا اثر دیتی اور دوسروں کا قبول کرتی ہیں۔ آکاس ہر شے کی تصویر اپنے شفاف ولطیف شیشہ میں قبول کرتا ہے۔ اور جہاں اس تصویر کے ہمدرد ملے ان کو اسکا اثر بخشتا ہے۔

شیو۔ بیشک۔ مگر آخری بات کو ذرا اور واضح کر دیجئے۔

شیاما۔ شیو۔ تمہاری زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں۔ تمہارے دل سے جو خیالات بر آمد ہوتے ہیں۔ تمہارے دماغ سے جس قسم کے محسوسات کا ظہور ہوتا ہے۔ سب کو یہ آکاس لے لیتا ہے۔ اور جب کوئی مستحق اور اُن الفاظ۔ خیالات اور محسوسات کا ہمدرد اور شائق ملتا ہے وہ ان سے نادانستہ متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر خیال اپنے اظہار کے سامان کی تلاش میں رہتا ہے۔ کتابوں میں کیا ہے۔ کتاب تمہاری نگاہ سے جڑ ہیں۔ مگر انکے صفحات میں حروف والفاظ کی صورت میں خیالات ہی کے نقش ونگار رہتے ہیں جو شائقین کے دل کو آناً فاناً میں متاثر کر دیتے ہیں۔

شیو۔ مگر یہ کیسے ہوتا ہے؟

شیاما۔ جیسے تم دیکھ کر سن کر۔ چھو کر اوروں کے اثرات لے لیتے ہو ویسے ہی یہ بھی کرتے ہیں۔ طرز اظہار میں چاہے فرق ہو مگر اصل میں کیسے اصل میں جو تم کرتے ہو وہی وہ بھی کرتے ہیں۔ بات کیا ہوئی۔ کچھ بھی نہیں۔

شیو۔ مگر ہم کھاتے پیتے ہیں۔ ان کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

شیاما۔ پھر وہی ذہنی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہو خیر۔ اسی ایک بات کہتے ہو۔ اگر تالاب کو بادل برس کر نہ کھلائیں تو وہ خشک ہو جائیں۔ درختوں کو پانی نہ ملے تو وہ مرجھا جائیں۔ ہوا کو اگر آگ کی گرمی نہ پہنچے تو وہ بے لبس ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔

شیو۔ مگر وہ ڈکھ سکھ کا گیان نہیں رکھتے۔

شیاما۔ یہ تم نے کیسے سمجھا؟ اپنی اپنی ولی ترکیب کے موافق سب میں ڈکھ سکھ کا گیان ہے۔ درخت کو کاٹ دو وہ مرجھا جاتا ہے۔ لاجونتی کے پتوں کو چھو دو وہ کملا جاتے ہیں مٹی پانی سب کا یہی حال ہے۔ مگر ان میں اتنا ہی احساس ہے جتنا ان کا دل ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ حس سے خالی ہیں۔ ہاں تمہاری ظاہری نگاہ اس کے اندازہ لگانے میں قاصر ہے۔ ہم تو سب کو اپنا ہی جیسا روپ سمجھتے ہیں۔

شیو۔ تب تو نہ کہیں جڑ ہے نہ چیتن ہے۔

شیاما۔ سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جو ہے وہ ہے۔ جڑ اور چیتن دونوں کلپت اور فرضی ہیں۔ ایک کی نسبت دوسرے کا قیاس کیا جاتا ہے جتبک وسیع نظری نہیں ہے تب تک جاندار و بیجان جڑ اور چیتن سب کچھ ہیں۔ نظر کے بلند ہوتے ہی یہ خیال پرے الگ جا کھڑا ہوتا ہے۔ ورنہ سب ہی چیتن اور سب ہی جڑ ہیں۔

شیو۔ خوب!

شیاما۔ خوب نہیں بلکہ سچائی ہے۔ باتیں بہت ہوئیں تم ہمارے مہمان ہو۔ روحانی طبقہ میں آئے۔ ہم تمہارے میزبان ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ میزبانی کا فرض ادا کریں۔ باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اب کچھ اور بھی کرنا چاہیئے

اچھا جاپ کو نہ بھولو (ذکر بے کلام و بے زبان کا خیال رکھو) اور تم ازل وا
کے مخزن میں داخل ہو جاؤ گے (۵) پانچ سکھیاں یعنی پانچ گیان اندریوں کو سمیٹ
ایک کرو۔ وہ گور و مکھ (مرید) کے پنج گھر (دل) میں متحد ہوں۔ جو شخص شبد کو کھوج
کر اس اپنے اصلی وطن اور مخزن کو حاصل کرے گرو نانک صاحب اس کے
داس ہیں۔"

وقت گزر گیا۔ معلوم نہیں کیسے گزرا۔ اس کے بعد شیاما لے آنکھ بند
کر لی۔ اندھیرا چھا گیا۔ اور ہم کہیں کے کہیں جا رہے جس کا ذکر پھر کبھی کرینگے۔

جاتی ہے عشق میں پریشانی و حیرانی نہیں ہے عقل تنگ ظرف ہے عشق کا پیٹ گہرا ہے

دریائے فراواں نشود تیرہ بہ سنگ   عارف کہ برنجد تنگ آب است ہنوز
اگر ز کوزہ فرو افتد آسیا سنگے   نہ عارف است کہ از راہ سنگ بخیزد

گورو نانک صاحب کسی پہاڑ پر چیان کے تلے بیٹھے تھے۔ وہ ڈگمگایا۔ بالا جی نے کہا ہٹ جائیے۔ وہ مسکرائے۔ ایک نظر سے پتھر کو دیکھا۔ وہ جہاں تھا وہاں ہی رہ گیا۔ اور شاید اب تک بھی اسی حیثیت میں قائم ہے عقل والے اس کو صحیح تسلیم کریں۔ مگر صاحبدل اس کو سچا مانتے ہیں عقل میں کمزوری ہے عشق میں شہزوری ... کہ ... بدنام کرے۔ ہدف خدنگ ملامت ہے

ں نکتہ

ـم

ماں خدائی ہے
ں دُہائی ہے

ہیں سوجھتا۔ کچھ بھی دکھائی نہیں
ر دل کا پچھاڑنا غیر ممکن ہے اغلہ
ب یہاں ہی لایا ہوگا۔ وہ محروم
تے ہیں ان کے ہاتھ کچھ نہیں آ
ہ بار بار کہا جاتا ہے کہ عقل کا
اگر نگہ کے تصور سے پریشان

[illegible] کسی کی بھی نہیں سنتا۔ دنیا [illegible]

ہے۔ وہ اپنی دھن کا پکا ہے۔ دنیا ادھر [illegible] خود خدا بنے

بنائے۔ مگر عاشق کو کیا پڑا ہے۔ [illegible] عقل کے متوالے جذبہ کا ذوب [illegible]

[illegible]

ہیں مگر عاشق ادھر بھولے سے بھی خیال نہیں کرتا۔ "خدا" لینا خود بینی ہے۔ بس خدا [illegible]

ہے۔

سچ آکھاں بھانبڑ مچدا ہے   جھوٹ آکھاں تد کجھ بچدا ہے

دل دو وہاں گلاں توں جھجدا ہے   رک رک کے جیبھا کہندی ہے

منہ آئی بات نہ رہندی ہے   (بلا شاہ)

عشق کا نغمہ سنو۔

مرا گنج است اندر دل گدائی خوش نمی آید   شہنشاہِ جہاں را بادشاہی خوش نمی آ[ید]

خودی را از میاں برداشتم خود گشتہ ام لیکن   خدا خود را چہ گویم خود نمائی خوش نمی آ[ید]

ہم آپ سے اپنی حالت کیا کہیں۔ ٹٹولتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آسمان سے آواز آ[ئی]

شیخا تو نور کا پتلا ہے۔ کیوں اپنے اندر سے نور کا اظہار نہیں کرتا۔

گنجا داری چرائی بے نوا　　بادشائی از چہ ہمانی گدا

ملمن آبی آب میجوئی عجب　　نقد خود را نسیہ میگوئی عجب

یہاں آ کر حضور معلّے کا کلام یاد آیا۔ اس مقام میں معراج پسند روح مکڑی کی طرح اپنے اندر سے جالا نکالتی ہے۔ اور اس پر چڑھ کر اوپر وسعت کی فضا میں آتی ہے۔ آواز کا سنتا تھا کہ دل سے نور کا لمعہ نکلا۔ تمام نور علےٰ نور ہو گیا۔ اور ہم نے اپنے آپ کو کیلاش کی چوٹی پر مان سرور آب کوثر کے کنارہ پایا۔ جہاں ہنس موتی چن رہے تھے۔ ان کی صورت و شکل عجیب و غریب۔ نہ ہاتھ نہ پاؤں۔ صرف گول گول چہرہ ہی تھا۔ ہم متحیر ہوئے۔ یہ اس عالم فضا میں ویسے ہی پھدک رہے تھے جیسی گولی گولی ٹکلی کی شکل والی مچھلیاں پانی میں تیرتی رہتی ہیں۔ حیران۔ یا خدا! یہ کون مخلوق ہے! جس کو نہ آنکھوں دیکھا نہ کانوں سنا۔ اگر کسی سے کہوں گا تو وہ کبھی یقین بھی نہ لائے گا اور سن کر آوازے توازے کسنے لگے گا۔ اور دیکھو جیوں ہی دل میں یہ خیال آیا۔ وہ مخلوق زبان حال سے گویا ہوئی:-

ہری جن ہنس وشالے ڈولیں　　نرمل بانی چن چن بولیں

مگتا ہل لئے چونچ لوبھا دیں　　موَن رہیں کہ ہری گن گاویں

مان سرور تٹ کے باسی　　رام چرن چت۔ انت اداسی

کاگ کو مدھی نکٹ نہیں آوے　　پرتی دن ہنسا درشن پاوے

نیر شیر کا کرے نبیرا　　کہیں کبیر سوئی جن ہیرا

شیو! تمہارا یہاں آنا مبارک ہو۔ بہت عرصے کے بعد واپس آئے۔ خوب سفلی مقامات کی سیر کی۔ مبارک! مبارک!! مبارک!!!

تمہارا اس جگہ آنا مبارک ہو مبارک ہو　　تمہارا ہم سے مل جانا مبارک ہو مبارک ہو

خوشی سے شادمانی عیش و عشرت کے کٹے گیا — خوشی کے راگ کا گانا مبارک ہو مبارک ہو
جو بچھڑے ہیں ملیں گے انکھ دن آکر وہ خود ہم سے — تمہارا جاگ کے پھر آنا مبارک ہو مبارک ہو

اخاہ! یہ روشن ضمیر مخلوق ہم سے واقف ہے۔ مگر ہم اس کو نہیں جانتے کیسے تعجب کی بات ہے! یہ کہنا تھا کہ پھر اُن کے دل سے لطیف ملکہ! لطف خیال کی دہار فر فر فر اٹھنے لگی۔ گویا وہ ہم سے کہتے ہیں "تمہا تما شیو! یہ مان سرور کا شن گنگا ہے۔ اس میں غوطہ لگا لو۔ پھر یہ راز خود بخود منکشف ہو جائے گا۔" ہم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھبٹ مان سرور میں کود پڑے۔ اور جب اس کی سطح پر آ گئے دیکھا کہ ہمارے بھی ہاتھ پاؤں نزار دہ فکر ہولی ہیاتی سے باہر نکلے اور اُن کے درمیان آ کر شامل ہو گئے۔ حقیقت میں کہنے سننے کی ضرورت نہیں رہی ہم پر سارا راز نہفتہ کھل گیا جس کو کبھی بھی نہیں جانا تھا۔ اس کو جان لیا تام یہاں ہم فرضی مکالمہ کے طور پر اس کو لکھتے ہیں۔ تاکہ اگر کوئی اس کو پڑھے تو اس کی سمجھ میں بھی آ جائے۔ یہاں بھی ہم ان میں سے ایک شخص کا فرضی نام گھڑ لیتے ہیں:

شیو۔ یہ کیا مقام ہے؟

چُورامن۔ یہ عالم لاہوت ہے جس طبقہ سے تم آ رہے ہو وہ عالم ملکوت تھا۔ اور اُس کے نیچے جبروت تھا۔ جاگرت (بیداری) سوپن (خواب اور نیند) سوشپتی (بیخبری کی نیند) یہ تین حالتیں ان تین عالموں سے مشابہ ہیں۔

شیو۔ مگر صوفیوں کے طبقہ میں کچھ اختلافات کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوتے ہیں

چُورامن۔ ہوئے دو۔ کیا مضائقہ۔ مطلب سے مطلب ہے نہ کہ لفظوں کے جھگڑے رگڑے سے۔

شیو۔ تو گو یا ہم تین حالتوں سے گزر کر یہاں پہنچے ہیں۔

چورامن۔ جی جناب! مالی کے ساتھ مکالمہ جاگرت حالت تھا، سُشپتا ملکے ساتھ سوپن تھا۔ بیچ میں تم جس گھور اندھکار اور ظلمات سے گزر کر یہاں آئے ہو۔ وہ سوشپتی کا مقام تھا۔ جہاں کسی کو کچھ نہیں سجھائی دیتا۔ ایسے آدمی تمہاری دنیا میں کم ہوتے ہیں جو گہری نیند پر غالب آ سکیں۔

شیو۔ یہ مقام کیا ہے؟

چورامن۔ یہ تُریا اوستھا ہے۔ جو روشنضمیری، صاف باطنی اور کشف کا مقام ہے جو یہاں تک پہنچ گیا سمجھ لو کہ وہ آگے کے بھی مدارج طے کر سکیگا اور اگر یہ نہیں ہُوا تو پھر ظلمات میں پھنس کر پھر نیچے کی طرف چلا جائے گا۔

شیو۔ تو کیا یہ تُریا اوستھا بھی وہ حالت نہیں ہے جس کا گیانی تصور بندھاتے ہیں۔

چورامن۔ ہاں وہ یہی ہے۔

شیو۔ تو پھر آگے کیا مدارج ہیں؟

چورامن۔ اس کے آگے ابھی اور درجے ہیں جو طے کرنے پڑتے ہیں یہ اصل میں صرف عکس ہیں اصل ابھی پرے ہے۔

شیو۔ اس کی نسبت ہم پھر سوال کریں گے۔ ہم جس تاریکی سے گزر کر یہاں آ گئے ہیں کہیں وہی تو لامکان۔ شونیہ اور سُن تو نہیں ہے؟

چورامن۔ تمہارا خیال صحیح ہے۔ سنو یہاں ہر جگہ تین تین مدارج اور ہر مدارج کے چھ چھ حصے ہیں۔

شیو۔ مثلاً؟

چورامن۔ مثلاً تم ہو۔ تم روح۔ دل اور جسم کی ترکیبی مخلوق ہو اور مایا

کے منڈل کے باسی ہو۔ مایا کے منڈل سے اونچا برہمانڈ ہے۔ جہاں بھی ترکیبی رچنا ہے۔ مگر وہ لطیف ہے۔ پہلا کثیف ہے۔ اس سے اونچا ذات کا منڈل ہے جہاں انفرادی رچنا ہے اور وہ روحانی ہے۔

شیو۔ کیا برہمانڈ میں تثلیثی ترکیبی مخلوق نہیں ہے؟

چوڑامن۔ کیوں نہیں؟ پنڈ یعنی جسم میں پنڈی من محیط ہے۔ برہمانڈ میں برہمانڈی من محیط ہے جو برہم کہلاتا ہے۔ اور روحانی منڈل میں روحانی من محیط ہے جو ذات سے تعلق رکھتا ہے جو وہاں ہے وہی یہاں ہے۔ ہاں آگے چل کر صرف روحانی مخلوق نظر آئے گی۔ جو ترکیبی نہیں کہی جاتی۔ کیونکہ وہاں روح خالص کا کاروبار ہے۔

شیو۔ مگر لوگ "برہم" کو ایسا نہیں سمجھتے۔ وہ تو اسی کو سب کچھ مانتے ہیں

چوڑامن۔ ان کو خبر نہیں اگر پنڈ اور برہمنڈ کی اصلیت کو جانتے تو ایسا نہ کہتے۔ دونوں ہی جگہ من کی پھیر نا ہے۔ اور بھائی! تم خود اس بات کو بڑی وضاحت کے ساتھ پنچھ* سندیش نامی کتاب میں لکھ چکے ہو۔ ایسا کیوں سوال کرتے ہو

شیو۔ صرف شہادت کے لئے اور تصدیق کے لئے۔

چوڑامن۔ جانے بھی دو۔ یہ سوال تہ کر رکھو لیتا سمجھ لو کہ سوکشم رچنا برہمانڈ ہے اور برہما اس کا کرتا ہے۔ جو اس کا من ہے اور ست۔ رج۔ تم اس کی دھاریں ہیں اس جسم میں تمہارا من اسی برہم کا نائب ہے جیسے تم ویسے ہی وہ! اور تمہارے من کی دھاریں بناؤ۔ بگاڑ اور سنوار ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ لطیف ہے اور تمہارا من کثیف ہے۔ لطافت و کثافت کا خیال نظر انداز کر دو پھر جو تم وہی وہ۔ اس نگاہ سے

* پنچھ سندیش ست سندیش کے تمام پڑھنے والوں کے پاس وہ ضخیم کتاب موجود ہے جسکے چالیس ابواب میں مقامات کی صراحت کا ذکر ہے اگر اسکو دوبارہ پڑھکر اپنی واقفیت وسیع کر لیں یہاں کیوں کہا جائے۔ (دیکھو)

برہم اُشٹوں کا عقیدہ صحیح ہے مگر بات کیا ہوئی یہ من ہی کا چکر رہا۔ اس من کے چکر سے
اونچے چڑھو تب بات ہے۔

شیو۔ تب تو اُن کا "انا الحق" اور "اہم برہمہ" کہنا صحیح ہے؟

چورامن۔ نہ صحیح نہ غلط۔ کہنا سننا بے سود ہے۔ اس سے مطلب کیا ہے؟ جو
ہے وہ ہے جب جیسی نظر ہے تیسا نظارہ ہے۔ نظر۔ ناظر اور نظارہ پھر بھی
تثلیث ہی رہا۔ مطلب کیا نکلا۔

شیو۔ تمہارا وتیرہ کیا ہے؟

چورامن۔ ہم کہتے سنتے کچھ نہیں۔ زبان بند و لب خاموش۔

غم نہ کیجیے غم کا اور شادی نہ کیجیے عیش کی
دونوں حالت دیکھیے منہ سے نہ کچھ فرمائیے

شیو۔ واہ بات تو یہی ہے۔ مگر کوئی مانتا نہیں۔ ہم مدتوں سے ایسا کہتے
آئے ہیں۔ مگر سننے والا کوئی نہیں ہے۔

چورامن۔ بھلا تم کہتے کیوں ہو! وسنے سنانے کا مطلب کیا ہے!
جب تم کہتے ہو تو وہ کیوں نہ کہیں۔ انہوں نے کیا قصور کیا ہے۔ یہ تمہاری بھی
غلطی ہے اور غلطی بھی کیسی! سخت غلطی حضرت! جو ہے وہ ہے۔ جہاں ہو جیسے ہو
ویسا ہو رہو رہے۔

نہ شادی داد ساماں نے نہ غم آورد نقصانے
بہ پیش ہمت ما ہر کہ آمد بود مہمانے

شیو۔ تو یہ راز کیسے ظاہر ہو؟

چورامن۔ چشم بند و گوش بند و لب بہ بند۔ گر نہ بینی سرِ حق بر ما بخند۔
ہم کو دیکھو شکر ہے کہ تم یہاں آگئے۔ کہنے سننے سے مثال اچھی ہوتی ہے۔ ہماری

زندہ مثال تمہارے سامنے ہے۔ ہم سب ہنس ہیں۔ نہ کہتے ہیں نہ کسی کی سنتے ہیں۔ کہنے سننے میں کچھ مزہ نہیں بلکہ بدمزگی اور بے لطفی ہوتی ہے۔ جسم میں آنکھ، ناک، کان سب من ہی کے روپ تو ہیں۔ مگر کوئی کسی سے نہ کچھ کہتا ہے نہ دست بہ گریباں ہوتا ہے

شیو۔ خوب۔ ہم کو ایک کلام یاد آگیا۔

کسے در عمر خود نشنید ازیں سنجیدہ تر سخنے | کہ در میخانہ گفتے رند ہیچو بے سرد پائے
بزن جام و مرنجاں ہیچ چیزے را مشو منکر | کہ ہر موئے سلیمان است ہر چیونٹی عنقائے

چورامن۔ بس بس۔ یہی بات ہے۔ یہی سمجھ لینے کا نکتہ ہے۔

شیو۔ مگر کیا ہم یہ نکتہ کسی اور کو نہ بتائیں؟ بتانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

چورامن۔ تمہارے بتانے کا ڈھنگ معقول ہے۔ نہ لکچر نہ وعظ۔ نہ بحث نہ قیل و قال۔ جو کچھ من میں آوے "سنت سندیش" میں لکھ مارو۔ جو اہل دل کا رسی ہیں وہ سمجھیں گے اور جو ایسے نہیں ہیں ان کو اس کی ہوا بھی نہ لگے گی۔

فائدہ کیا کرے صحبت جو نہو استعداد | باغ میں جا کے کبھی زاغ خوش الحاں نہ ہوا

تم نے اچھا طریقہ جاری کیا ہے۔ نہ پیری نہ مریدی۔ نہ بیعت نہ شاگردی۔ نہ باتوں سے کسی کا دل دکھاتے ہو۔ نہ ان کو اپنی طرف بلاتے ہو۔ تمہارا اصول سب سے اچھا ہے۔ اور بہتوں کو تمہاری ذات سے فائدہ پہنچے گا۔ شیو کی طرح اپنی جٹا سے گنگا بہا دو جس کا جی چاہے نہائے دھوئے۔ پانی پیئے۔ اور جس کا جی نہ چاہے اس کو اختیار ہے۔ اور بھائی! تم خوب کرتے ہو۔ سب کچھ اور کچھ بھی نہیں۔ کسی کا دل نہیں دکھاتے ہو۔

گر ہمی دانی کہ در ہر دل خدا ست | پس تو تعظیم ہر دل مدعا ست

شیو۔ ہم خوش ہیں کہ ہمارا کلام طبقہ ملکوت کے قدسی صفات فرشتے اور عالم

اہوت اور رہائش کے آپ ایسے منش پسند کرتے ہیں۔

چورامن۔ یہ سب تو سچ ہے۔ مگر آخر اس کی بھی عمر ہے۔ یہ قلم کی گھس گھس کب تک رہے گی۔ تم نے سب کچھ لکھ دیا۔ اور بہت صاف صاف لکھ دیا۔ اچھا ہے! اس سادہ بیانی کے ساتھ آج تک کسی نے بھی کام نہیں کیا۔

شیو۔ چند دنوں کا معاملہ ہے۔ ذرا "بیچک" بھی لکھ لیں پھر سوچیں گے۔

چورامن۔ بہت خوب

چورامن کا بہت خوب کہنا تھا کہ کوئی حالت چکر کھاتی ہوئی نظر آئی جیسا کہ ہم نے حاتم طائی کے قصے کے "حمام بادگرد" کے تذکرہ میں پڑھا تھا۔ یہ سنتوں کی اصلاح میں "بھنور گپھا" کی طرف کی ہے۔ جہاں سے بانسری کی خوشگوار صدا بہ آمد ہو رہی تھی۔

(۱) مرلیا باج رہی کوئی سنے سنت دھر دھیان
(۲) سو مرلی موہے گورو سنائی لگے پریم کے بان
(۳) پنڈا چھوڑا انڈ تج بھاگی سنی ادھر میں اور رب تان
(۴) پایا شبد ملی منن سے کھینچ چڑھائی سرت کمان
(۵) یہ بنسی ست نام دھن کی۔ کیا اجر بھر امرت پان
(۶) بھنور گپھا ڈھنگ سوہنگ بنسی نجھ رہی ہیں سن کان
(۷) اس مرلی کا مرم پچھانو۔ ملی شبد کی کھان
(۸) گئی سرت کھولا وہ دوار۔ پہونچی نج استھان
(۹) ست پرش دھن بین سنائی۔ ادبھت جن کی شان
(۱۰) جن جن آن سنی یہ مرلی۔ دور کیا سب من کا مان
(۱۱) سرت سمہار رت نہارت پائے گئی اب نام نیدان

(۱۲) الکھ اگم اور رادھا سوامی کھیل رہی اب اُس میدان

ست لوک کا بیان کہنے میں نہیں آتا۔ اس لئے خاموشی اختیار کی جاتی ہے یہ سارے مرحلے طے ہوئے۔ کیا خبر کتنی دیر لگی۔

دوسرا بقیہ

آنکھ کھل گئی۔ نہ کہیں راوی ہے نہ مالی۔

جو کہ دیکھا خواب تھا جو کچھ سنا افسانہ تھا

ہم نے منیجر سنت سدیش کو آواز دی وہ آئے۔ ہم نے پوچھا کتنی دیر ہم سوئے تھے وہ بولے آپ سوئے کب تھے ابھی تو میں آپ کے پاس سے گیا ہوں مشکل سے دو چار منٹ گزرے ہوں گے۔ ہم حیران! گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ سامنے کی گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ اس نے بھی زبان حال سے منیجر کی بات کی تصدیق کی۔ ہم کیا کہتے۔ چپ ہو رہے۔

دنیا اسی طرح لمحہ لمحہ میں بنتی اور بگڑتی ہے۔ سو دو سو۔ ہزار دس ہزار۔ کروڑ اور دس کروڑ برس کچھ نہیں ہیں۔ سرشٹی اور پرلے خیالی ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

دنیا خوابے است و زندگانی دروے

خوابے است کہ در خواب بہ بینی آں را

دوسرے روز احتیاطاً صبح کے وقت راوی کے کنارے گئے تاکہ خواب کے واقعہ کی تصدیق کر سکیں۔ وہ مالی اُسی شکل و صورت میں موجود تھا ہم کو دیکھ کر کترایا۔ مگر الگ ہوتے ہوتے اتنا کہہ گیا۔ بابا! خواب کی باتیں خواب ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ اب میں اور جگہ جا کر لگا۔ مجھ کو تلاش نہ کرو۔ اپنا کام دھندا

دیکھو۔ یہ کہکر وہ غائب ہو گیا۔ اور پھر پتہ نہیں ملا کہ کون تھا۔ کیا تھا اور کہاں چلا گیا۔

وگیان کا بارھواں نکتہ

خط وکتابت

(۱) خط از حکیم گیان چندجی وچھووالی لاہور

" ادم ادم ادم۔ از لاہور منجانب حکیم گیانچند بازار وچھووالی مورخہ ۵ مارچ ۱۹۱۴ء

مستر بیان مانیہ ور پوجن لوگ پیارے راج رشی جی۔ پیارے پیارے۔ پیارے آداب۔ نیاز تسلیم! آنچنہ سندیش کا مطالعہ خوشی کی گنگا کا اشنان ہے اس سے جسمانی میل کا ناش اس سے روحانی میل کا ناش ہے۔ دھن باد دھن باد دھن باد ہو اس کے مطالعہ سے میں روحانی معلومات کے خزانہ پر قابض ہو گیا ہوں پیارے قابل تعظیم رشی جی دھن ہو دھن ہو۔ ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند نہایت وضاحت اور عام فہم عبارت میں اس خشک فلاسفی کو اس دلچسپی سے تحریر فرمایا کہ کتاب ختم کئے بغیر چھوڑنا محال ہو گیا ہے۔ جیوں جیوں پڑھتا ہوں دھارکے عالم میں ہوتا جا رہا ہوں۔ کیا راستہ صاف ستھرا دلچسپ نظارہ دیکھ رہا ہوں بیان کرنا قلم کی طاقت سے باہر ہے۔

آپ کی درشن ابھلاشی داس

حکیم گیانچند از لاہور بازار وچھووالی "

جواب

رادھا سوامی دیال کی دیا

رادھا سوامی سہائے

وگیان کا تیرھواں نکتہ

رہنی۔ کرنی۔ کتھنی۔ بدنی

جو بات کہتے ہیں وہ ٹھیک ٹھیک ہوتی ہے
ہماری بات بھی تحقیق کی ایک ہوتی ہے

جب تک طبیعت فنا پسند نہ ہو۔ تب تک وگیان کی سمجھ نہیں آتی۔ سمجھ بوجھ بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ "رہنی" ہونی چاہیے "کتھنی بدنی" سے کام نہیں چلتا۔ تین باتیں ہیں (۱) پہلی کتھنی بدنی۔ یہ سب سے نیچا درجہ ہے۔ کتوں کی طرح "بھوں بھوں" کرتے رہنا کتھنی بدنی ہے۔ رام رام رات دن کرتے ہیں کیوں؟ دوسروں کے سنانے کے لئے؟ اس سے فائدہ؟ زور سے کہنے سے آج تک کوئی آسودہ نہیں ہوا۔ اگر اس سے کوئی نفع پہنچتا تو ایک شخص بھی دنیا میں غریب۔ نادار مفلس نہ ہوتا (۲) دوسری کرنی ہے۔ اس کا درجہ کچھ اونچا ہے۔ جو کچھ ہو سکا کام کیا اور کام میں تسلی تشفی اور اطمینان کی حالت حاصل کی۔ آخر کچھ تو نیکی۔ یوگ۔ جپ۔ تپ۔ روزہ۔ نماز سب اسی میں ہے۔ کرم یعنی عمل۔ اُپاسنا۔ شریعت۔ طریقت۔ سب اسی حد میں آتے ہیں۔ زیادہ تر انسانوں کی تعداد اسی کے زمرہ میں آتی ہے (۳) تیسری رہنی ہے اس کا سمجھنا بھی مشکل اور اس حالت کا ہاتھ آنا بھی مشکل ہے۔ اس میں سب کچھ کیا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی کیا جاتا۔ طبیعت میں قدرتی استقلال اور شانتی ہے۔ "نہ جینے کی شادی نہ مرنے کا غم" جو کچھ ہے وہ ہے۔ اس مزاج کے آدمی سب سے زیادہ کام بھی کر جاتے ہیں اور ساتھ ہی وہ اپنے آپ کو "کرتا" یا فاعل نہیں سمجھتے

پہلے درجہ میں واچک گیانی ہیں۔ دوسری میں "بھگت" "ولی" "نبی" "رشی" "منی" سب آجاتے ہیں۔ اور تیسرے میں صرف "سنت" ہیں۔ کبیر صاحب کی بانی ہے۔

کرنی کرے سو تیر ہمارا۔ کتھنی کتھے سو ناتی
رہنی رہے سو گورو ہمارا ہم رہنی کے ساتھی

اس آخری درجہ کے آدمیوں کی ورتی (جذبات) شیروں کی طرح ہوتی ہے۔ رجا و بیم خوف و امید دونوں ہی سے یہ نیارے ہوتے ہیں۔

قطب شیر و صید کردن کار او
باقیاں این جملہ باقی خوار او
مرد عارف گیست بیباک از ہمہ
آب صافی چیست او پاک از ہمہ

اور سنتوں نے جو کچھ تعلیم دی ہے وہ اسی کے متعلق دی ہے طرز تعلیم کیسے ہی کیوں نہ ہو اور چاہے اس میں کتنے ہی مدارج شامل نہ کئے جاتے ہوں۔ اس کی تائید میں ہم کبیر صاحب کے سیوک کے انگ کے بانی سے چند دوہے منتخب کر کے یہاں داخل کرتے ہیں جن سے ہمارا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔

سوال ہے کہ مرید کس کو کہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ مرید نام مردہ کا ہے۔ اس کے اپنے جذبات نہیں ہیں۔ وہ مرشد کے جذبات سے کام کرتا ہے۔ اس میں اپنی زندگی نہیں۔ مرشد کی زندگی ہوتی ہے جب تک مرشد کا دامن نہیں پکڑا جاتا۔ انانیت کا نقص دور نہیں ہوتا۔ اور جب تک انانیت رہتی ہے تب تک رہنی نہیں آتی۔ اور انسان گیانی نہیں بنتا۔

سکھ کھانڈا گورو مصقلا چڑھا شبد کھرسان
(چیلا) (تلوار) (مصقل کرنا) (سان)
شبد سہے سنمکھ رہے تو بھے شیشیہ سوجان
(سامنے) (صاحب...) (چیلا) (سمجھدار)

ترجمہ: "مرید مثل تلوار کے ہے۔ اور گورو صیقل کرنیوالا ہے اور شبد روپی سان ہے۔ اگر شاگرد شبد کی رگڑ کو سہتا ہے اور سامنے رہتا ہے تو اس میں دھار نکل آتی ہے اور وہ صاف شفاف اور تیز ہو جاتا ہے۔"

جو کچھ خرابی ہے وہ صرف انانیت میں ہے۔ انانیت اور خودی رکھنے والا آدمی ممکن ہے کہ کسی علمی معنی میں گیانی ہو جائے۔ مگر وگیانی کا درجہ اس کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وگیان "رہنی" میں ہے کتھنی میں نہیں ہے۔

ستگورو مارا تان کر شبد سو رنگی بان
میرا مارا جیے تو کہو نہیں گہوں کمان

ترجمہ:۔ گوروئے تان کر شبد کا بید بھیدنے والا تیر چلا دیا اور (وہ فرماتے ہیں) کہ اگر میرا مارا ہوا بچ جائے تو ہاتھ سے کمان کو نہ چھوڑوں گا۔ جینے سے مراد انانیت کی زندگی سے ہے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ "وگیانی" کی زندگی بیکاری اور سستی کی زندگی ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اس طبقہ میں اور اس زندگی کے کسی طبقہ میں بھی یہ حالت نہیں ہے۔ ہاں اس میں جو کام کیا جاتا ہے وہ اول تو میرے تیرے پنے سے خالی ہوتا ہے۔ دوسرے اس کی مزدوری یا صلہ کا خیال نہیں رہتا۔ سنتوں کا مارگ وگیان مارگ ہے۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو اس میں شریک ہو گئے وہ وگیانی ہو گئے۔ نہیں جیسے سنت مت کے تمام معتقد سنت نہیں ہیں ویسے ہی وہ وگیانی بھی نہیں۔ معراج کی تکمیل کا نام "وگیان" اور سنت ہے۔ ہاں ابتدائی منزلوں میں وہ سیوک ہیں اور وگیان کے راہ میں ہیں سیوک کے متعلق یہ بانی ہے:۔

سیوک سیوا میں رہے سیوک کہیئے سوئے

وگیان کا تیرھواں نکتہ

کہیں کبیر سیوا بنا سیوک کبھی نہ ہوئے

اور سیوک کا خاصہ یہ ہے:-

سیوک سیوا میں رہے انت کہوں نہیں جائے
دکھ سکھ سر اوپر سہے کہیں کبیر سمجھائے
ستگورو شبد اُلنگھ کر جو سیوک کہیں نہ جائے
جہاں جائے تہاں کال ہے کہیں کبیر سمجھائے

سیوک کام کیسے کرے؟ اس کا بھی جواب سن لو:-

پھل کارن سیوا کرے تجے نہ من سے کام
کہیں کبیر سیوک نہیں چہے چوگنا دام
سیوک سیوا میں رہے سیو کرے دن رات
کہیں کبیر کو سیو کا سنمکھ نا ٹھہرات

اصلی سیوک کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

کبیر نر بندھن بندھ رہا۔ بندھ نر بندھن ہوئے
کام کرے کرتا نہیں داس کہاوے سوئے
دکھ سکھ ایک سمان کر ہرش شوک نہیں بیاپ
بیا بکاری نہ کامنا اُپجے چھوہ نہ تاپ

ترجمہ:- آزادی میں قید اور قید میں آزادی ہے۔ کام کرتا ہے اور فاعل نہیں ہے۔ دکھ سکھ رنج و خوشی کی ایک حیثیت ہے۔ اوروں کے لئے بغیر منشا کام ہے۔ نہ تعلق ہے نہ بے تعلقی کی فکر۔

وگیان مارگ میں داخل ہونے کے لئے پہلے انسان کو رضا، تسلیم اور مشیت ایزدی کے اصول سے باخبر ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تور
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے گا مور

غور کرنے سے سمجھ میں آئیگا کہ یہ اصول اسقدر آسان نہیں ہے اور اسکی پیروی کرنا ہر کس و ناکس کا کام بھی نہیں ہے۔ اس طرح کی قیمتی شخصیتیں شاذ ہی دیکھنے میں آتی ہیں اور ہی آخر میں وگیانی ہوتی ہیں۔

ایسا کوئی نا ملا سشید گورو کا میت
تن من سونپے مرگ جیوں سُنے بدھک کا گیت

بدلیا جنگل میں بین بجاتا ہے ہرن مست ہو کر اس کے پاس آکر نغمہ سنتا ہے۔ اور وہ اس کا گلا چھری سے ریت دیتا ہے۔ کیا ایسا مرید کوئی ملتا ہے جو اس طرح گورو کے پیغام کو سُنے اور فنا فی المرشد ہو جائے۔ وگیانی فنا فی المرشد ہے اسمیں اپنی سمجھ بوجھ نہیں گورو ہی کی سمجھ بوجھ ہے۔

ایسے فنا فی المرشد وگیانی مرید کو دکھ نہیں ہوتا۔ وہ دُکھ کے سمندر سے پار ہو جاتا ہے

گورو سمرتھ سر پر کھڑے کاہ کمی تو ہی داس
رِدّھ سِدّھ سیوا کریں مُکتی نہ چھانڈے پاس
داس دُکھی تو میں دُکھی آد انت تہو کال
پلک ایک میں پرگٹ ہوئے چھن میں کرول نہال

رضا، تسلیم، موج کا لفظ تو ہر شخص کی زبان پر رہتا ہے۔ مگر ان کے طرز عمل اور زندگی کے کاروبار سے اسکا اظہار نہیں ہوتا۔ اور اسلئے نہ صرف انکو بلکہ دوسروں کو بھی خامی نظر آتی ہے جسمیں یہ خطرتاً موجود ہے۔ انکی نسبت تو کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے مگر جو اسکو پسند کرتے ہیں اور اپنی ذات میں اس کی محدومیت محسوس اور معلوم کرتے ہیں انکے واسطے گورو مت ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ اصل میں ... بچے بھی نہیں

ہے۔ جو ہے وہ ہے۔ کرم سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اور "وگیان" تو اپنی ذات ہے۔ مگر جب ایک خیال دل پر حاوی ہو گیا ہے تو وہ اپنی "ضد" یا مخالف "خیال سے دور ہوگا یہ سبب ہے کہ عمل اور شغل کا شوق دلایا جاتا ہے نکتہ داں اور رازداں کو یہ ستر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ تاکہ وہ اصول سے نہ گرے عمل اور شغل صرف اس کے اظہار میں مددگاری ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔ اس واسطے "کرنی" پر زور دیا گیا ہے۔ اور اس کی غرض بتائی گئی ہے۔ آدمی ابتدا میں "کتھنی بدنی" کو چھوڑ کر "کرنی" کرے۔ "کرنی" کرتے کرتے اسمیں "رہنی" خودبخود آجائیگی۔ اور تب وہ سمجھ جائیگا کہ جسکی تلاش تھی وہ ہم سے دور کبھی نہیں تھا اور اگر کرنی نہ کیجائیگی تو "اگیان" کا پختہ دبوچ رکھے گا۔ مہا پرش کی بانی ہے۔

(۱) "کتھنی بدنی" چھوڑ کر کرنی سے چت لاے
نر کو نیر پلاے بن کبھوں بیاس نہ جاے

(۲) کرنی بن کتھنی کتھے اگیانی دن رات
کوکر سم بھونکت پھرے سنی سنائی بات

(۳) کرنی بن کتھنی کتھے۔ گورو پد لکھے نہ سوے
باتوں کے پکوان سے دھاپا ناہیں کوے

(۴) پانی ملے نہ آپ کو اورن بخشے شیر
آپن من نشچل نہیں اور بندھاوے دھیر

(۵) جیسی مکھ سے نکسے تیسی چالے ناہہ
مانش نہیں وہ سوان گت باندھے جم پرجانہہ

اس کرنی سے کیا ہوگا۔ اس کا جواب بھی سن لو۔

کرنی کرنی سب کہیں۔ کرنی ماہیں بویک
وہ کرنی بہہ جاندے جو نہیں پرکھے "ایک"

اس "ایک" کا پرکھنا وگیان ہے۔ یہی رہنی ہے۔ اور جب نگاہ بالکل وحدت پسند اور وحدت بین بن گئی۔ زندگی کا مقصد پورا ہوگیا! اور وگیان آگیا۔ اب کچھ کرنا دھرنا نہیں رہا انانیت اور بہت تیرے میرے کی زنجیر ٹوٹ گئی۔

سُنو۔ گورو امرداس جی نانک صاحب کی تیسری پشت میں ہوئے ہیں بھگت تھے۔ ساٹھ برس کی عمر ہوگئی۔ ایک کمسن فقیر نے بھیکھ مانگی۔ وہ دینے کو دوڑے۔ فقیر نے پوچھا تمہارا گورو کون ہے؟ یہ بولے ابتک گورو نہیں کیا۔ اُس نے کہا تب میں بھیکھ نہ لوں گا۔

امرداس۔ کیوں نہ لوگے؟

فقیر۔ تم نگورے ہو۔ تم میں انانیت موجود ہے۔ یہ بھیکھ میرے اور تمہارے دونوں کے لئے موجب عذاب ہے۔

امرداس جی کے دل کو چوٹ لگی اپنے سمدھی گورو انگد صاحب کو گورو کیا بارہ برس تک اُن کی خدمت کی تب یہ نقص دور ہوا۔ اور پھر اُنکے بعد نانک صاحب کے سلسلے کے گورو ہوئے۔

اور سنو نارد آدرشی ہیں۔ ساکشات وشنو لوک میں جاتے تھے! اور درشن کرتے تھے! ایکدن گئے۔ جہاں بیٹھے تھے وہ جگہ لیپی پوتی گئی۔ پوچھا ایسا کیوں کیا گیا؟ وہ بولے تم نگورے ہو۔ تمہارے بیٹھنے سے یہ جگہ ناپاک ہوگئی۔ نارد سٹ پٹائے۔ وشنو سے کہا آپ ہی مجھ کو چیلا کیجیے۔ جواب ملا ایسا نہیں ہوتا۔ گورو تمہارے جیسا تمہارا ہمجنس ہونا چاہیئے۔ جاؤ صبح کے وقت دریا کے کنارے جو شخص ملے اسکو گورو کر دو۔ یہ اپنا سا منہ لیکر چلے آئے۔ دوسرے دن ایک مچھلی پکڑنیوالے ماجھی کو گورو کیا۔ تب انانیت کا رشتہ ٹوٹ گیا اور مقدس مآب بن گئے۔

دل میں خودی ہے۔ خودی عیب کی جڑ ہے! اس کے دور کرنے کا سبب یہی ایک

طریقہ قدرت میں ہے دوسرا کوئی نہیں۔

بے از ونہ ہے کسے راحق نوال ۔ شمۂ گفتم ز اصحاب وصال

سیوک میں خودی نہیں رہتی کہنے کو تو ہر شخص کہتا رہتا ہے کہ کرنے دھرنے والا صرف مالک ہے مگر ایسا کوئی بھی نظر نہیں آتا جو اس کے فیصلہ پر راضی رہے اس کا سبب وہی ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ وہ انانیت ہے جس کا سمجھنا آسان نہیں ہے کیونکہ اگر اسکی سچی سمجھ آجائے تو اس پر قبضہ پانے کا موقع بھی مل رہے۔

کبیر کرنی کیا کرے جو گور دہنیں ہوئیں سہائے
جیہی جیہی ڈالی پگ دھرے سوسو نو نو جائے

جن جس قدم جھک جھک

وگیان کا چودہواں نکتہ

چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز قصے

کسی کو کچھ نہ کہو۔ جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دو۔ جو جیسا ہے ویسا کرے گا۔ کیونکہ وہ قدرت میں اُسی کام کے لئے وضع ہوا ہے۔ تم صرف اپنا کام دیکھو اور بس۔ گیان اور ادراک محیط کل اصول ہے۔ آنکھ دیکھکر علم حاصل کرتی ہے اور کان سن کر زبان چکھ کر وہی کام کرتی ہے۔ اور ناک سونگھ کر۔ علم میں کیا فرق آیا؟ مگر موجودہ کالبد میں نہ آنکھ زبان ہو سکتی ہے نہ کان ناک بن سکتا ہے۔ جو جیسا ہے ویسا ہے اور وہ ویسا ہی رہے گا۔ راون کی تعریف اسی بات میں تھی کہ اس نے رام کے ساتھ مقابلہ کیا اور رام کی خوبی اس میں تھی کہ انہوں نے راون کو مارا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو نہ راون راون ہوتا نہ رام رام ہوسکتے سب اپنی اپنی وضع میں درست ہیں۔

ذرا نگاہ کو دیکھی کر لو۔ آپ ہی یہ معمہ حل ہو جائیگا۔

(۱) ایک ماجھی کی لڑکی مچھلی بیچنے بازار کو گئی تھی۔ راہ میں شام ہو گئی کسی مالنی کے گھر اتری وہاں خوشبودار پھول بہت تھے۔ ناک میں خوشبو کا جانا تھا کہ وہ بیہوش ہو گئی لوگوں نے سمجھا وہ مر گئی۔ بیچارے ڈرے کہ کہیں پولیس آ کر تشدد نہ کرے مالنی کی کمسن لڑکی ہوشیار تھی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ مچھلی کی ٹوکری اس کے ناک کے سامنے رکھدی اسکی جان میں جان آگئی اور ماں نے پوچھا۔ اس میں کیا بات تھی۔ لڑکی بولی اس کے زندہ کرنیکی دوا یہی تھی۔ اس کے لئے پھول کی خوشبو زہر ہے اور سڑی ہوئی مچھلی کی بو امرت ہے۔

(۲) بنگالی مچھلی بہت کھاتے ہیں اور وہ ان کو بہت مرغوب ہے۔ ایک بنگالی کسی وشنو کا مہمان ہوا۔ وشنو نے اچھے اچھے کھانے اسکو دیئے۔ مگر اسکے لئے سب پھیکے۔ کیونکہ اس قوم کے آدمی ہر چیز میں مچھلی ملا کر کھاتے ہیں۔ وشنو دانا تھا۔ بات سمجھ گیا۔ بولا۔ بھائی! میں اس سے بہتر کھانا نہیں دے سکتا۔ اگر تو حوض کی مچھلیوں کے پاس بیٹھ کر یہ کھانا کھائے تو تجھ کو مزہ آ جائے۔ وشنو نے تفریح کے لئے ایک حوض میں رنگ برنگ مچھلیاں پال رکھی تھیں۔ بنگالی تھالی اٹھا کر حوض کے پاس آ بیٹھا۔ جب مچھلیاں حوض میں پھدکتیں وہ خوش ہو کر ایک نوالہ منہ میں ڈال لیتا۔ اور کہتا واہ وا۔ بہت خوش ذائقہ کھانا ہے۔ وشنو ہنسا۔ کھانا تو پہلے ہی سے اچھا تھا۔ تیرے ذائقہ کے خیال کے تیز کرنے کے لئے مچھلیوں کی موجودگی کی کمی تھی۔

(۳) کوئی بھنگی کسی راجہ کے یہاں ملازم تھا۔ اسکا دیہاتی داماد آیا۔ سسر نے اسکو راجہ کے پاخانہ صاف کرنے کے لئے بھیجا۔ وہاں عطریات کی لپٹیں آ رہی تھیں غریب نے پاخانہ کو تو کمایا۔ مگر گھر آتے ہی بیمار ہو گیا اور سخت بیمار پڑا۔ جاں کندنی کی حالت ہو گئی۔ سب حیران! مگر اسکی جورو عقیلہ تھی۔ جھٹ آدمی کا پاخانہ اس کے ہاتھ پاؤں

ناک اور ماتھے پر مل دیا۔ وہ اسی وقت بھلا چنگا ہو گیا۔

اسی طرح تثلیث پرست اثنین پرست اور دہریئے وغیرہ ہیں۔ ان کا مزاج توحید کے کلمے سن کر بگڑ جاتا ہے۔ یہ تفرقہ پسند جماعت اس وقت تک خوش نہیں ہوتی۔ جبتک اس کو اختلاف انفصال اور دوری ومجبوری کے نظارے نہ دکھائے جائیں۔ خیال ہی تو ہے جو دل میں بس گیا بس گیا۔ تم ان سے نہ اُلجھو۔ ان سے کہو یا جو تم کہتے ہو ٹھیک ہوگا اور وہ دست بہ گریباں نہ ہوں گے۔

اگر مکتی اور آزادی کی ہوس ہے تو مکت و آزاد کے پاس جاکر بیٹھو اس کی ہوا جب لگے گی تم مکت ہو جاؤ گے اور جو بندھن والے کا ساتھ تم کرتے ہو تو وہ خود تو پابزنجیر ہے تم کو بھی پھنسائیگا

(۴) مشہور ہے کہ پریکشت نے صرف سات دن سری مد بھاگوت کی کتھا شکدیو جی سے سنی اور مکت ہو گیا۔ لوگ زندگی میں پچاسوں سپتاہ سنتے ہیں۔ مگر ایک بھی مکت نہیں ہوتا۔ کیونکہ کتھا سنانیوالے شکدیو جی کی طرح آزاد نہیں ہیں۔

ایک راجہ تھا اس کو مکت ہونے کی خواہش تھی۔ اپنے پروہت سے دس مرتبہ بھاگوت سنی۔ مگر نتیجہ کچھ نہیں۔ بگڑ کھڑا ہوا۔ پنڈت سے کہا۔ پریکشت کو ایک ہفتہ میں گیان ہو گیا۔ مجھ کو کیوں نہیں ہوتا۔ تجھ کو تین دن بعد پھانسی دوں گا۔ کیونکہ بھاگوت تم پنڈتوں کی گپ ہے۔ پنڈت کا حال برا ہوا۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ گھبرایا بیچین تھا۔ لڑکی سیانی تھی حال پوچھا۔ کہنے لگی کیا پرواہ! میں راجہ کو کل مکتی دونگی راجہ کو خبر دی گئی۔ دوسرے دن لڑکی ایک سنیاسی کی چیلی ہو گئی اور گیروا بستر پہن کر راجہ اور اپنے باپ کو جنگل میں لے آئی۔ دونوں کو دو درختوں سے جکڑ کر باندھ دیا۔ وہ واویلا مچانے لگے۔ تب لڑکی نے راجہ سے کہا تو کیا چاہتا ہے۔ وہ بولا مجھکو چھوڑا دے۔ اس نے کہا اپنے اس گورو کو کہہ کہ تجھے چھوڑائے اس نے اس سے

درخواست کی پنڈت بولا۔ میں خود بندھا ہوں۔ تم کو کیسے چھڑاؤں۔ تب لڑکی نے ہاتھ میں کوڑا لے کر پہلے اپنے باپ کو مارا۔ "تو خود بندھا ہے اور دوسروں کے چھڑانے کے لئے کتھا سناتا ہے۔ یہ تیری نادانی کی سزا ہے۔" پھر ویسے ہی راجہ صاحب کی خبر لی وہ بھی تلملا گیا۔ "نادان! تجھ کو اتنی عقل نہیں ہے کہ بندھے ہوئے سے آزادی کی تمنا رکھتا ہے۔ یہ تیرے حمق کی سزا ہے۔"

باطل است آنچہ مدعی گوید　　خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

پھر اس نے دونوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دیکھو میں آزاد ہوں تم دونوں کو چھڑاتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ان کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور کہا۔ "لو اب مکت ہو گئے" دونوں نے اس کمسن لڑکی کو گورو دھارن کیا۔ اور کرتیہ کرتیہ ہو گئے۔

آزاد و مکت کی نسبت خام خیالی نہ کرو۔ نکتوں کو سمجھو۔ تب کام بنے گا اور جو یوں ہی پڑھ کر مینڈک کی طرح ٹر ٹر کرتے ہو تو کیا کرو۔

حال پاکاں را خیال از خود مگیر　　گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر
سایۂ شاہاں طلب بیند شتاب　　تا شوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب
تا توانی زاولیا رو بر متاب　　فہم کن واللہ اعلم بالصواب
دستگیرد بندۂ خاص اِلٰہ　　طالباں را مے برد از پیشگاہ
گر بگویم تا قیامت نعت او　　ہیچ آں را غایت و مقطع مجو
تو برو در سایۂ عاقل گریز　　تا رہی زاں دشمن پنہاں ستیز
گورو بن گیان نہیں تیرا　　گورو بن مٹے نہ جنم کا پھیرا
گورو کے چرن پکڑ دن راتی　　جا تک سم نے گورو پد سوانتی
سب دھرتی کاغذ کروں۔ لیکھنی سب بن رائے
(زمین)　(قلم)　(جنگل کے درخت)
سات سندھ کا مسی کروں۔ گورو گن لکھا نہ جائے
(سمندر)　(دوات کی سیاہی)

ایک بھجن (شیو)

(۱) چیانند من کٹلائی سا دھو
چھانڈو من کٹلائی

ان ہونی کبھی ہونی ناہیں۔ ہونی کاٹ نہ جائی
(۱) برھما اپائے کرے نر مورکھ۔ گرہ شگون شرنائی

سندھ اپار اگم جل بھریا۔ رہ رہ کر لہرائی
(۲) تاہیں جیو جنتو بہو تیرا۔ تھاہ نہ کوئی پائی

باڑھے گھٹے اور باڑھے۔ روک سکے کو آئی
(۳) دیو دیت نر۔ سُر منی بوڑے۔ بوڑی سب دنیائی

اونچے گگن منڈل ششی ڈولے پرتی بمبت ہو آئی
(۴) جب لگ چندا دے ہوئیں تارے سندھ باڑھ کمی جائی

مٹ گئے چند گئے بادر دھرنی اکاس سمائی
اواگمن کے پھند کٹانے۔ رادھا سوامی بھگو ہیں سہائی

[illegible]

یہ بڑھتا ہے گھٹتا ہے اور گھٹ گھٹ کر بڑھتا رہتا ہے۔ اس کی ترقی اور تنزلی کو کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ تمام دیوتا، راکشس، انسان اور منی اس میں غرقاب ہو گئے اور کس کو کہیں ساری دنیا ہی اس میں غوطہ کھا رہی ہے (۴) یہ کیوں بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اس سمندر سے اونچا فلک الافلاک پر ایک متحرک چاند روشن ہے جس کا نور سمندر روپی دل میں پڑا کرتا ہے۔ اور وہ اس میں منعکس ہوتا ہے جب تک یہ چاند ہے اور جب تک آسمان پر یہ ستارے جگمگاتے رہتے ہیں۔ اس دل کے سمندر کی موج کو کون روک سکتا ہے اس میں اسی طرح جوار بھاٹے آتے ہی رہیں گے (۵) لو اب ستگور سروپ رادھا سوامی دیال کی دیا ہوئی ہے۔ وہ چاند نہیں رہا نہ آسمان پر بادل ہیں۔ زمین اوپر چڑھ کر آسمان میں سما گئی۔ دونوں ایک ذات ہو گئے۔ سمندر اور چاند اب دو نہیں ہیں ان کے درمیان کی جدائی اور دوری جاتی رہی۔ اب نہ عکس پڑتا ہے نہ پانی میں نہ طور آتا ہے شانتی ہی شانتی آتی ہے۔ آنا جانا جنم مرن سب معدوم اور موقوف ہو گیا۔

نوٹ۔ اس شبد میں سمندر کی چاند کے ساتھ نسبت دکھائی گئی ہے جو شاعرانہ بھی ہے اور جس میں سچائی بھی ہے۔ چاند سے سرشٹی کی اُتپتی ہے اور وہی دراصل انسان

ولیاں کا سترھواں نکتہ

کچکول

سورج کے سامنے نہیں شبنم کو کچھ قرار　　پاس آپ کے جو آئے تو پھر ہم کہاں رہے

اکسیر پر مھوش نہ تم اتنا ناز کرنا　　بہتر ہے کیمیائے دل کا گداز کرنا

تب لباس دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر　　جامئہ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

نین چھپائے نا چھپیں پٹ گھونگٹ کی اوٹ
چتر نار اور سور ما کریں لاکھ میں چوٹ

یا جس سے خوش رہے مجھکو وہ آئیں چاہئے　　اس سو طالب دنیا کا ہو لئے دیں چاہئے

نہ من سر ز حکمت بدرے برم　　کہ حکمت چنیں مے رود بر سرم

قوی شدیم چہ شد ناتواں شدیم چہ شد　　چنیں شدیم چہ شد یا چناں شدیم چہ شد

جنک ستنا دشرتھ بہو رام چندر بر لین
کرم ریکھ اتی پربل ہے سو بدھنا لکھ دین
لاکھ سیانپ کوٹی بدھی کر دیکھو سب کوے
ہوشیاری کرور طور پر

ان ہونی ہونی نہیں ہونی ہوے سو ہوئے

ترجمہ۔ جانکی جنک کی لڑکی وشرتھ کی بہو اور رامچندر کی جورو تھی۔ یہ سب بڑے عقلمند اور طاقتور تھے۔ مگر برہما نے پیشانی پر اس کے جو کچھ لکھ دیا وہ اٹل تھا۔ کوئی ہزار تدبیر کرے ہونیوالی بات ہو کر رہتی ہے جو ہونا ہے ہوگا اور جو نہیں ہونا ہے وہ کبھی نہ ہوگا

منتخب

گیان دھیان سب اُٹھ گئے سبھا بھئی سب سُن (خالی)
اور پنچ انتر (بھید) نہیں۔ نہیں پاپ نہیں پن

شیرازی

راز درون پردہ ز رندان مست پرس کیں حال نیست صوفیٔ عالی مقام را

پریم گلی میں گھل گیو جیوں آٹے میں لون (نمک)
لون گلا پانی بھیا پلٹ بتاوے کون
چشم بتو افتاد و وجودم ہمہ حق شد ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد
چلی پوتلی لون کی تھاہ سمندر لین
آپ نانک (مالک) آپ ہی ملے پھر کو (کون) کہے رکو بین

کبیر

تن بھسم لگائی جٹا بڑھائی دودھا دھاری (دودھ پینے والے) نگن (برہنہ) کھڑے
پُن کشتی کایا بھید نہ پایا جنم جنم ہو بار (خالی) مرے
بہو (بہت) تیرتھ دھایا گنگ نہایا بن ستگور نہیں کاج سرے
گُر کی بلہاری کبیر پکاری۔ جن (جنہوں نے) بن ہو ساگر پار کرے (کیا)

بابو ترلوک چند صاحب رنگون عہ)

پنڈت مایا رام صاحب پٹواری للعہ

جملہ عہ

مینجر سنت سندیش ان صاحبان کی ہمدردی کا ممنون ہے۔ خریدار صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ چار ایسے مستحق آدمیوں کا نام بتائیں جو بوجہ ناداری سنت سندیش نہیں خرید سکتے مگر اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہیں تاکہ چار رسالے اُن کے نام مفت جاری کر دیئے جائیں۔

بالعوض روپیہ بھیجنے کے خریدار صاحبان سے یہ درخواست ہے کہ وہ ایک ایک دو دو نئے خریدار پیدا کریں۔ تاکہ کسی طرح یہ کار خیر جاری رہ سکے اور سال گذشتہ کی طرح اس سال خسارہ نہ اُٹھانا پڑے۔

---

(۲) ایڈیٹر صاحب سنت سندیش اپنی لڑکی کی شادی کی غرض سے وطن کو تشریف لے گئے اور وہاں وہ کئی مہینوں رہیں گے۔ اس لئے ان کے نام کی خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہو۔

موضع پورہ قانون گویاں

ڈاکخانہ گوپی گنج (راج بنارس)

جواب طلب معاملات کی نسبت جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا لفافہ ہمراہ ہو۔ کیونکہ گاؤں میں اکثر ٹکٹ وغیرہ نہیں ملتے۔ ڈاک خانہ کئی میل کے فاصلہ پر ہے۔

جو حضرات ست سنگ یعنی شیوجی کی صحبت کے شائق ہیں۔ ان کے فائدہ کا یہ بہترین موقعہ ہے پورہ قانونگویاں سے اسٹیشن گونڈہ رود ڈی این ڈبلیو ریلوے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ الہ آباد کی طرف سے خواہ بنارس کی طرف سے ۲ گھنٹہ ریل کا راستہ ہے وہاں ایکانت رہیگا۔ لڑکی کی شادی کی تاریخ ۴ مئی ۱۹۱۴ء ہے۔ اس تاریخ تک تو وہ وہاں ضرور ہی رہیں گے اس کے بعد خط و کتابت کر کے براہ راست اُن سے دریافت کر لیا جاوے۔

(۴) جملہ انتظامی معاملات کے متعلق مینجر سنت سندیش لاہور کے نام خط و کتابت ہو۔

الملتمس

رامانج پرشاد مینجر سنت سندیش لاہور

بیجک

کی اردو میں مکمّل مفصل اور مفسر شرح

بیجک علم عرفان کی بےمثال اور لاجواب کتاب ہے دنیا کی کسی زبان میں ایسی جہاں مجموعی
بانی شکل سے ملیگی۔ یہ نہ صرف پنتھائیوں اور اہل طریقت ہی کے کام کی چیز ہے بلکہ حقیقت یوں
ہے کہ یہ ودیا رتھیونکو بھی بلند نظر اور بلند خیال بنا دیتی ہے بیجک سار سمجھنے کی کنجی ہے معرفت کے
معمّونکا حل ہے۔ عوام الناس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ گیانی دھیانی تک کو اسکی باریکیوں اور نازک
خیالیونکا سمجھنا کٹھن تھا۔ شیوجی نے اب اسکو سہل کر دیا۔ شرح کی صورت یوں ہے پہلے اصل کتاب
کا مضمون کتابی شکل میں علیحدہ علیحدہ لفظوں میں اور موٹے خط میں آیا ہے مشکل لفظوں کے تلے اردو
معنی دیئے گئے ہیں۔ پھر چھوٹے خط میں لفظی ترجمہ ہے اسکے بعد باریک حرفوں میں اُنکی اور مفصّل
شرح ہے کہیں کہیں اردو ترجمہ اور تشریح ضرورت کے موافق ساتھ ساتھ بھی ہے اسکو پڑھ کر
کسی کو یہ شکایت نہ رہیگی کہ بیجک مشکل ہے۔

پہلا حصّہ چھپ گیا ہے قیمت ۱۲؍ ہے۔ دوسرے کی قیمت ۱۲؍ ہوگی۔ جو صاحب دونوں
حصوں کے لئے آرڈر روانہ کریں گے ان کو صرف للعہ میں سنت سندیش کے خریداروں کو
مئی اور جون کے سلسلہ میں مفت نذر ہوگی۔ جو صاحب اب سنت سندیش کی خریداری
کرینگے۔ ان کو اسی سلسلہ میں ملے گی۔

رام نرائن پرشاد منیجر سنت سندیش

کبیر چرتر پکمل (ہندی)

پرم سنت کبیر صاحب کا جیون چرتر پہلے سنت سندیش میں نکل چکا ہے۔ اب یہ کتاب معہ غیر معمولی ایزادی کے ہندی میں چھپی ہے۔ اردو میں ۴۷ ابواب میں یہ کتاب ختم ہوئی تھی اس میں ۸۴ ابواب آئے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس سے زیادہ ضخیم کبیر صاحب کی سوانح عمری آجتک کسی نے نہیں لکھی۔ شایقین جلد درخواست کریں۔ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے قیمت ۱۰ معہ محصولڈاک سنت سندیش اور تتو درشی کے خریداروں کو معہ محصولڈاک ۸ میں ملے گی

مینیجر تتو درشی لاہور سے طلب کرو۔

شاہی لکڑہارے کی

صرف تھوڑی سی کاپیاں باقی ہیں جو چاہیں فوراً منگالیں ضخامت ۳۰۰ صفحہ قیمت ۱۰ خریداروں سے صرف ۴ وی پی خرچ علاوہ ۵ میں بھیجا جائیگا

شاہی بھگتنی سچا بھگت

زیر ترتیب ہے پہلے درخواست آنے پر رعایت سے روانہ کیا جاویگا۔

رامانج پرشاد مینیجر سنت سندیش

لاہور

سنت سندیش و شیو شمبھو کے خریداروں سے نصف قیمت

(۱) روحانی کتھائیں (چار حصوں میں)

(۱) تالیفات بابو گوری شنکر لال صاحب اختر

حقیقت کے ستون معرفت کے نکتے علم روحانی کا عطر ویدانت کا جوہر مہاتماؤں کے مقدس جیون اور بھگتی بھاؤ کی جھلکتی ہوئی تصویروں کا بہترین مجموعہ اس سے زیادہ مہاتماؤں کے مقدس جیون چرتر مشکل سے کسی کتاب میں آئے ہوں گے ضخامت ۸۰۰ صفحہ قیمت فی جلد ۱۲؍

(۲) کلیان دھرم

اس کتاب میں مہاتما بدھ دیو کا مقدس جیون چرترا اور اُن کی مقدس تعلیم مفصل اور مکمل طور پر دی ہوئی ہے کتاب بطور خود نہ صرف مکمل ہے بلکہ لاثانی ہے اس سے بہتر بدھ دھرم کے فلسفہ اور بدھ بھگوان کی سوانح عمری کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ شروع میں مترجم صاحب نے ایک سولہ صفحہ کا دیباچہ لکھا ہے جس میں تمام کتاب کا لب لباب ہے تیسری بار نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی ہے ضخامت ۲۰۰ صفحہ قیمت فی جلد ۱۱؍ سنت سندیش کے تمام نئے اور پرانے خریداروں کو نصف قیمت صرف ۶؍ مع محصول ڈاک میں ملیگی:

المشتہر

مینجر سرسوتی بھنڈار لاہور

اطلاع۔ بہار تصوف۔ زبردست صوفیانہ کلام جس کا اشتہار سنت سندیش کے صفحات میں اکثر نکلتا تھا چھپ گئی سنت سندیش کے خریداروں کو چاہیئے کہ وہ صرف اگست پرچہ ۱۳ ہے محصول ۱؍ منگالیں اصلی قیمت ۸؍ رعایت صرف سنت سندیش کے خریداروں سے ہے

(مینجر)

کبیر دھار الکھ کی ستگور دئی لکھائے   تا ہی الٹ سمرن کرو سوامی سنگ لگائے

اگر اس پر بھی آپ کی سمجھ میں کوئی بات نہ آوے تو پھر سوال کیجیے۔ بار بار کیجیے۔ ہم کو جو آتا ہے بتاتے اور سمجھاتے چلینگے۔ جو دقتیں پیش آئیں اُن کو قلمبند کر کے ہمارے پاس بھیجیے۔ حتی الوسع ہم کو آپ کی خدمت سے دریغ نہ ہوگا۔ گورو آپ کا کلیان کریں"۔

خط کتابت نمبر ۲

سوال۔ سنت بندیش ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء کے صفحہ ۲۴ پر جو کبیر صاحب کا شبد آیا ہے اُس کا سمجھنا کٹھن ہے۔ آپ ذرہ اُس کی تشریح کر دیجیے ۔

بلدیو داس۔ معتمد ریاست لنیہ گانوں

جواب۔ وہ بھجن یہ ہے :۔

ٹھگنی! کیا نینا جھمکاوے   تورے کبیر ہاتھ نہ آوے

(۱)۔ کدو کاٹ مردنگ بنایا۔ نیبو کاٹ مجیرا   پانچ توریاں منگل گاویں ناچے بالم کھیرا

(۲)۔ بھینس پدمنی چڑھا عاشق۔ مینڈک تال بجاوے   چولا پہر گدھیا ناچے اونٹ بشن پد گاوے

(۳)۔ روپا پہرے روپ دکھاوے سونا پہر رجھاوے   گلے ڈال تلسی کی مالا تین لوک بھرماوے

(۴)۔ آم چڑھے مچھلی پھل توڑے کچھوا چن چن لاوے   کہیں کبیر سنو بھائی سادھو برلا ارتھ لگاوے

تشریح۔ اے مایا۔ تو بڑی ٹھگنی ہے۔ مجھ کو کیا آنکھیں دکھاتی ہے۔ کبیر تیرے ہاتھ آنیوالے نہیں ہیں ۔

(۱)۔ یہ سارا جگت مایا نے رچا ہے۔ برہمانڈ جو کدو کی شکل کا انڈاکار تھا۔ مایا نے اُس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک تو عالم کبیر کا روحانی طبقہ۔ دوسرا روحانی اور مادی طبقہ۔ یہ روحانی اور مادی طبقہ مردنگ کی شکل بن گیا۔ جس میں سے اوم اوم کی آواز نکلتی ہے جو مردنگ کی آواز سے مشابہ ہے۔ روحانی اور مادی طبقہ کے اندر اُس نے کثیف گولاکار جسمانی خواہ کثیف مادی طبقہ رچا۔ جس کے دو حصے ستری اور پرش ہیں۔ یہ مجیرے کی طرح کھٹ پٹ کرتے ہوئے ٹن ٹن شبد کرتے ہیں۔ اوپر جیسے پرش پرکرتی ہیں نیچے انہیں کی نقل ستری اور پرش ہیں۔ ستری پرش جب ملے ہوئے تھے گولاکار ہی تھے۔ وہ بیچ سے کاٹے جانے کی وجہ سے اس طرح نظر آتے ہیں۔ اب بھی جب کبھی ستری پرش ملتے ہیں گولاکار ہی ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے بیوہار میں گھنٹے کا شبد ٹن ٹن برآمد ہوتا ہے۔ یہ انومان ہے۔ مایا نے اس طرح جگت کا پرپنچ پھیلایا ۔

(۲)۔ کام۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ۔ اہنکار۔ یہ پانچ توریاں ہیں جو منگل گاتی ہیں اور اپنی اپنی حرص بھلائی اور لذت کی تمنائیں رہتی ہیں۔ بالم کھیرا روح کی نینی دھار ہے جو ناچتی رہتی ہے اس کا روپ

شیو لنگ ہے۔ ناچنے والا تو یہ ہے۔ اور سب اس کے ساجی اور مددگار ہیں +

(۲) ۔ مایا نے اس پرپنچ میں دو صورتیں اختیار کیں۔ ایک تو معمولی دُنیا دی۔ جس کی وجہ سے انسان اُس پر عاشق ہو گیا۔ انسان چوہے سے مشابہ ہے اور مایا بھینس ہے۔ وہ اس کو چاہتا ہے مگر وہ اتنی بڑی ہے کہ ہاتھ نہیں آتی۔ اور اپنے پدمنی بھاؤ کو نہیں چھوڑتی +

دنیا نے ست عشوہ گر و دل ستاں وے   باکس بسر نمے بردایں عہد شوہری

وہ تو جس کی ہے اُس کی ہے سب کو کیسے ملے۔ مینڈک وہ سنساری جیو ہیں جو تعلقات میں سب کو پھنساتے رہتے ہیں۔ شادی بیاہ۔ پیدائش وغیرہ کے موقعوں پر تال دے دیکر حمایت کرتے ہیں۔ دوسری شکل اُس کی بھگتی بھاؤ یعنی ظاہری مذہبی پابندی کی ہے۔ مایا گدھی کی صورت میں چولا پہن کر مندروں میں ناچتی ہے۔ اور اُس کے مارے ہوئے پوجاری اونٹ کی صورت میں وِشنو پد گا گا کر مایا کا پرچار کرتے ہیں۔ اُس نے دنیا میں تو حملہ کیا ہی تھا۔ معبد اور مسجد بھی اُس سے محفوظ نہیں ہیں دونوں ہی جگہوں میں اُس نے پرچھا پا مارا اور کسی کو کہیں کا نہیں رکھا۔ اس کی مزید شرح آئندہ پد میں ہے +

(۳) ۔ یہ مایا اور وپا پہن کر روپ کھلاتی ہے۔ اور سوتا پہن کر فریب دیتی رہتی ہے۔ سونے چاندی کے شکل میں دنیا کو بھرمایا۔ اور گلے میں تلسی کی مالا ڈالکر بھگتی کی شکل میں تین لوگوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا +

(۴) اب آگے پرمارتھ کی تعلیم ہے +

آم زندگی کا درخت ہے +

یہ بروا چینھے جو کوئی   آواگون رہت سو ہوئی

اور روح مچھلی ہے۔ جس طرح مچھلی پانی کے آدھار پر میگھ منڈل تک پہنچ جاتی ہے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں۔ بالکل اسی طرح (سُرت شبد یوگ کی مدد سے) روح مایا کے طبقات سے اونچے چڑھنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ سنتوں کی اصطلاح میں "مین مارگ" کہلاتا ہے +

سُمرن کی سُدھی یوں کرو جیسے پانی مین   پران تجے چھن بچھڑے سنت کبیر کہہ دین

پچھوا ایسا گرجت والا من ہے جو روح کی چڑھائی کا پھل چُنتا رہتا ہے۔ اور اس پھل کی طاقت سے اس کو اور آگے بڑھنے کے لئے دھکیلتا رہتا ہے۔ جو لوگ اس طرح کا ابھیاس کرتے ہیں اُن پر مایا کا حملہ نہیں ہوتا۔ کبیر صاحب اس قدر کہہ کر فرماتے ہیں کہ اس کا ارتھ کسی بِرلے کی سمجھ میں آئیگا +

یہ آپکے سوال کا جواب ہے۔ اور بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو آپ بے تکلفی کے ساتھ پوچھ سکتے ہیں۔ دل کو بھرم اور شنسے سے دور کرتے چلئے۔ تاکہ آگے پرمارتھ کا راستہ کھلے +

گورو آپ کا کلیان کریں

آریہ سٹیم پریس لاہور۔ شنکر داس پرنٹر۔ راماتج پرشاد پبلشر